رسالہ

معارف لدنیہ

مصنف

حضور امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ

مترجم

مولانا سید زوار حسین شاہ مجددی

تعارف

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ رسالہ مبارکہ معارف لدنیہ فارسی زبان میں تحریر ہے کہ اس کے مضامین ومقالات سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ یہ رسالہ آپ نے ابتدائی دور اور متوسط دور میں تصنیف فرمایا۔ اس کا سال تحریر مبدو معاد سے پہلے ہے۔ یہ اکتالیس متفرق مضامین پر مشتمل ہے۔ جن کو آپ نے معرفت کا عنوان دیا ہے۔ ان میں اللہ تعالیٰ کے عرفان کے اسرار ورموز کا ایک جہان آباد ہے جس کے گل گشت کا شرف مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے حصہ میں آیا۔

اس رسالہ کے مطالعہ کے بعد بہت سے حقائق ودقائق انسان کی نگاہوں کے سامنے روشن ہو جاتے ہیں۔ اور دل میں معرفت خدا کے حصول کا جذبہ بیدار ہوتا ہے کہ

آپ نے نہایت علمی وفکری انداز میں ذات وصفات۔ ولایت محمدیہ حقیقت ایمان ۔طریقت شریعت اور حقیقت ومراتب فنا بندہ کے اختیار، ابدال وقطب ارشاد کے فیض اور قضا وقدر کے عنوانات پر روشنی ڈالی ہے۔ آخر میں حسب معمول حضور سید عالم نور مجسم ﷺ کے فضائل ومناقب تحریر فرمائے ہیں اور ان کے دشمنوں کی مذمت بیان کی۔ آپ کا عقیدہ دیکھیے۔

اس روشن شریعت والی ہستی کے منکر اور ملت زہرا کے بانی کے مخالف ساری مخلوق میں بد بخت ترین لوگ ہیں اَعرابُ اَشَدُّ کُفراً وَّنِفَاقا۔ بدوی لوگ کفر ونفاق کے اعتبار سے سخت ترین لوگ ہیں یہ فرمان الٰہی ان کی حالت کا پتہ دیتا ہے تعجب ہے کہ بعض ناپختہ اور ناقص درویش جو اپنے خیال کشف کو معتبر سمجھتے ہیں اس روشن شریعت کی مخالفت اور انکار میں پیش قدمی کرتے ہیں۔ حالانکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی باوجود اپنی اس کلیمی اور قرب خاص کے اگر زندہ ہوتے تو اس شریعت کی پیروی کے بغیر کوئی اور طریقہ اختیار نہ فرماتے۔

فہرست

بسم الله الرحمن الرحیم

اَلحمدُللهِ وَسَلامٌ عَلی عِبَادِهِ الذِّینَ اصطَفٰے سِیَّمَا عَلی نَبِیِّهِ المُجتَبیٰ وَرَسُولِهِ المُصطَفٰے محمد المَبعُوثِ اِلی کَافَّةِ الوَریٰ وَعَلی اٰلِهِ وَاَصحَابِهِ البَرَرةِ التقیٰ وَالصَّلوةُ والتحِیَّةُ عَلَیهِ وَعَلَیهِم فِی الآخِرَةِ وَالاُولی .اَمَّا بعدُ. فَهٰذِهِ عُلومٌ اِلهَامِیَّةٌ وَمَعَارِفُ لَدُنِّیَّةٌ سَوَّدَهَا الفَقِیر الرَّاجی اِلی رَحمَةِ اللهِ الغَنِیُّ الوَلِیُّ احمدُ بن عَبدِالاَحدِ الفَارُوقِیُّ النَّقشَبندِیُّ رَحِمَهُ اللهُ وَرَضِیَ عَنهُ وَاَوصَله اِلیٰ غَایَةِ مَایَتَمَنَّاهُ۔

ترجمہ! سب تعریف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے اور اللہ کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو خصوصاً اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ رسول احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ ﷺ پر صلوٰۃ وسلام ہو جن کو اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات کی طرف رسول بنا کر بھیجا اور آپ کی آل اور تمام اصحاب پر جو نیک اور پرہیزگار ہیں ۔دنیا اور آخرت میں صلوٰۃ وسلام اور تحیہ ہو۔حمد وصلوٰۃ کے بعد واضح ہو کہ یہ وہ الہامی علوم اور علم لدنی کی معرفتیں ہیں جن کو خدائے بے نیاز وکارساز کی رحمت کے امیدوار اس محتاج بندے احمد بن عبدالاحد فاروقی نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر کیا ہے اللہ تعالیٰ اپنی رحمت ورضا کے ساتھ اس کو سرفراز فرمائے اور اس کی آرزوؤں کو پورا فرمائے۔

(1) معرفت

لفظ ''اللہ'' میں حروف تعریف کے اجتماع کی حکمت! ''الله'' کا مبارک لفظ الف اور لام سے منجملہ آلات (حروف) تعریف کے ہے اور لفظ ''ہ'' سے کہ وہ بھی منجملہ معرفوں ہی کے ہے، مرکب ہے۔اور یہ مجموعہ (یعنی الف اور لام اور ہ مل کر) ذات واجب الوجود عز سلطانہ کا علم (یعنی ذاتی نام) ہے لہذا اس اسم مبارک میں تین قسم کے معرفہ بنادینے والے اسباب جمع ہو گئے ہیں۔باوجودیکہ ان میں سے ہر سبب اسماء کو معرفہ بنانے کے لئے

کافی ہوتا ہے۔لیکن یہاں ان تینوں اسباب کے جمع ہو جانے میں ,اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس اسم اعظم کا مسمی (جس کا یہ نام ہے) جل شانہ اپنی کمال بزرگی ,درجہ کی بلندی اور مرتبہ کی بڑائی کی وجہ سے کسی طریقے پر بھی معرفہ (جانا پہچانا) نہیں ہوسکتا۔اور کسی طرح پر بھی معلوم نہیں ہوسکتا۔کیونکہ اگر اسے معرفہ بنایا جاسکتا تو ایک آلہ تعریف (معرفہ بنانے کا ذریعہ) ہے اس کے لئے کافی ہو جاتا۔کیونکہ مسبب کو موجود کرنے میں کثرت اسباب کا کوئی دخل نہیں ہوا کرتا۔بلاشبہ وہ تو کسی ایک سبب کے پائے جانے ہی سے موجود ہو جاتا ہے پس مسبب ان اسباب میں سے کسی ایک سبب کے پائے جانے سے موجود ہوسکا تو اس سے یہی سمجھا جائے گا کہ ان دونوں (اسم اور مسمی) کے درمیان سببیت کا تعلق ہی نہیں ہے اس لئے جب اللہ تعالیٰ کی شان میں معروف اور معلوم ہونے کا تصور بھی ختم ہو گیا۔چنانچہ اس بارگاہ اقدس تک کسی عالم کا علم نہیں پہنچ سکتا اور اسے معرفہ بنانے میں کسی معرفہ سازی کی معرفہ سازی مفید نہیں ہوسکتی لہذا حق تعالیٰ کی ذات اس سے کہیں بزرگ تر ہے کہ اس کا ادراک کیا جائے اور اس سے کہیں عظیم تر ہے کہ اسے پہچانا جاسکے اور اس سے کہیں بلند تر ہے کہ اسے جانا جاسکے۔

اس وضاحت سے سمجھ میں آ گیا ہوگا کہ اس اسم مبارک (اللہ) جل شانہ ,دوسرے اسماء سے الگ ہی ہے اور باقی تمام اسماء کے لئے جو احکام ہوتے ہیں یہ ان احکام میں شریک نہیں ہے۔ پس لامحالہ اسی امتیاز و یکتائی کی وجہ سے یہ اسم حق تعالیٰ وتقدس کی بارگاہ قدس کے لائق ہے۔

یہاں یہ اعتراض نہ کیا جائے کہ جب یہ اسم مبارک اپنے مسمی پر دلالت ہی نہیں کرتا تو یہ نام رکھنے کا فائدہ ہی کیا ہوا؟

اس کے جواب میں ہم کہیں گے کہ نام کے لئے اس لفظ کو مقرر کرنے کا فائدہ یہ ہے کہ جس ذات کا اس کے ساتھ نام رکھا گیا ہے ,یہ اسم اپنے ماسوا سے ممتاز اور الگ کر دیتا ہے تاہم ایسا نہیں ہے کہ اس کے ذریعے سے اس ذات کا علم ہوسکے جس کا وہ نام ہے۔لہذا اس مبارک اسم اور دوسرے اسماء کے درمیان ایک دوسرا فرق یہ بھی ہے کہ وہ اسماء اپنے مسمیات پر دلالت کرتے ہیں اور وہ مسمیات (ان ناموں کے ذریعے سے) معلوم ہو جاتے ہیں۔اور یہ

علم (شخصی نام) اپنے ماسوا سے ممتاز کر دیتا ہے اور اس اسم مقدس میں مسمی کا علم تو نہیں پایا جاتا لیکن وہ اپنے مسمی کو تمام ماسوا سے ممتاز اور الگ کر دیتا ہے۔ یعنی علم مسمی تو ناپید ہے مگر امتیاز از جمیع ماسوا موجود ہے۔

(2) معرفت

معرفہ پر حروف تعریف لگانے کی وجہ! الف ولام کے داخل ہونے سے اسم نکرہ اسم معرفہ بن جاتا ہے کیونکہ اس آلہ تعریف (یعنی حرف تعریف) سے وہ معرفہ ہو جاتا ہے اور اس اسم مقدس میں الف ولام خود معرفہ پر آیا ہے اور وہ معرفہ ''ہ'' یعنی ضمیر غائب ہے۔ جیسا کہ بعض محققین نے بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نام صرف ''ہ'' ہے جو غیب ہُویت پر دلالت کرتا ہے اور الف ولام تعریف کے لئے آیا ہے۔

گویا اس حرف تعریف کو لانے سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مشار الیہ کے تعین میں ضمیر کے ذریعے سے معرفہ ہونا ہی کافی نہیں ہے بلکہ ایک دوسرا آلہ تعریف (حرف تعریف) بھی درکار ہے جو الف اور لام ہے اور لام پر تشدید تعریف میں مبالغہ کے لئے لائی گئی ہے اور جب یہ حرف تعریف کے باوجود اس مبالغہ کے بھی کافی نہ ہوا اور جس کو معرفہ بنانا تھا اس کا تعین حاصل نہ ہوسکا تو لامحالہ اس پورے مجموعے کو تعریف علمی میں لے گئے (یعنی اس تمام مجموعے کو ذات حق کا نام اور علم قرار دیا) کہ شائد وہاں جا کر وہ تعین پیدا کر سکے۔ مگر یہاں بھی کوئی ایسا تعین جو ذات حق کے معلوم ہونے کا باعث بن سکے, حاصل نہ ہوسکا زیادہ سے زیادہ بس یہ ہوسکا کہ ماسوی سے ایک طرف کا امتیاز حاصل ہوگیا۔ پس پاک ہے وہ ذات جس نے مخلوق کے لئے سوائے معرفت سے عاجز ہونے کے اپنی طرف سے کوئی راہ نہیں بنائی۔

(3) معرفت

علم کے دو حروف تعریف سے مرکب ہونے کی وجہ! اس مقدس علم (ذاتی نام)

کا دو قسم کے حروف تعریف سے مرکب ہونا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ کمال عظمت والا اور عقول وافہام کے ادراک سے بالاتر ہونے کی وجہ سے مسمی (جس کا وہ نام ہے) کے تعین میں صرف علمیت (ذاتی نام ہونا) ہی کافی نہیں ہے۔ لہذا تعریف مذکور کے لئے متعدد اسباب کی ضرورت ہوئی۔ اس کے باوجود پھر بھی وہ بالکل معلوم نہ ہوسکا اور قطعاً نہ پہچانا جاسکا۔

(4) معرفت

حروف تعریف کی کثرت کی وجہ! اگرچہ معرفہ کے وجود میں آلات تعریف (حروف تعریف) کی کثرت کو کوئی دخل نہیں ہے جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ اور صرف ایک آلہ تعریف (حرف تعریف) بھی کافی ہوتا ہے لیکن آلات تعریف کو کثرت کے ساتھ لانے میں اس طرف اشارہ ہے کہ اس کا مسمی مبہم ونامعلوم ہے اور وہ سبحانہ وتعالیٰ ادراک سے بہت بعید اور بالاتر ہے۔

(5) معرفت

ممکنات کا وجود اور ان کے حقائق! حق سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی ذاتی شیون (شان کی جمع) کو جو کہ اس کی ذات کا عین ہیں، خارج کے اندر واحدیت کے مرتبہ میں الگ الگ جان لیا اور چونکہ علم (یعنی جاننا) اس بات کا مقتضی ہے کہ وہ (معلومات) ایک دوسرے سے ممتاز ہوں۔ لہذا ان شیونات نے علم کے خانہ میں تمیز (ممتاز ہونا) پیدا کیا (یعنی ہر شان ایک دوسرے سے ممتاز ہوگئی) اور ہر ایک شان خاص امتیاز اور علیحدہ تشخص کی مقتضی ہوگئی اور خانہ علم کے اندر ان تمیز یافتہ شیونات نے ممکنات کا نام پایا، کیونکہ ممکن اس کو کہتے ہیں جس میں وجود اور عدم دونوں برابر ہوں اور ان شیونات کا بھی یہی حال ہے کیونکہ یہ سب بھی، وجود اور عدم کے درمیان برزخ ہیں، اپنی ذات کی طرف نسبت رکھتے ہوئے ان کا رخ وجود کی طرف ہوتا، کیونکہ شیون خارج میں ذات کا عین ہیں اور تمیز اور تشخص کی طرف نسبت رکھتے ہوئے

ان کا رخ عدم کی طرف ہے ۔کیونکہ وجود کی تمیز عدم سے ہوتی ہے۔

وَبِضِدِّهَا تَبَيَّنَ الأَشْيَاء.

کہ ہر شے ہے ممیز اپنی ضد سے (یعنی ہر چیز اپنی اضداد سے پہچانی جاتی ہیں) اور یہ علمی صورتیں خارج میں قطعاً کوئی وجود نہیں رکھتیں اور علم کے خانے سے باہر ہی نہیں آئیں ۔ بلکہ حق سبحانہ وتعالیٰ ان کے آثار واحکام کے ساتھ خارج میں پہچانا جاتا ہے ۔ لہذا یہ صورتیں محض علم میں موجود ہوتی ہیں البتہ ان کے احکام وآثار خارج میں پائے جاتے ہیں ۔لیکن یہ آثار واحکام خارج میں حق تعالیٰ کی ذات کا عین ہیں ۔ کیونکہ خارج میں احدیت مجردہ کے سوا اور کوئی چیز نہیں ہے لہذا عین ذات کے اعتبار سے مطلق ظہور محض وجود کیلئے ہے اور حکمی طور پر یعنی احکام کی ترتیب کے لحاظ سے مطلق ظہور اشیاء کے لئے ہے اور وہ جو نظر آتا ہے کہ یہ صورتیں خارج میں بھی (موجود) ہیں تو یہ محض ایک توہم ہے اور غلط قسم کا تصور ہے ، جیسا کہ ارباب کشف وعرفان کا ذوق شہادت (گواہی) دیتا ہے ۔اور اس توہم کا باعث یہ ہے کہ حق سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے ان علمی صورتوں کو ظاہر وجود کے ساتھ ایسی نسبت عطا فرمادی ہے جس کی کیفیت نامعلوم ہے اور خلق (پیدا کرنے) سے مراد اس نسبت کو وجود بخشنا ہے اور یہ نسبت خارج میں ان کے نظر آنے کا باعث بن گئی ہے جیسا کہ ایک شخص کی صورت کو اس آئینے کے ساتھ جو اس کے سامنے ہو ایک نسبت پیدا ہو جاتی ہے جو کہ اس آئینے میں اس شخص کی صورت نظر آنے کے سبب بن جاتی ہے حالانکہ آئینہ (تو کسی کی صورت بھی نہیں ہوتی وہ) تو اسی طرح اپنی بے رنگی اور صفائی پر قائم ہے (جیسی کہ اس سے پہلے تھی) پس حق تعالیٰ سبحانہ اب بھی اسی طرح موجود ہے جیسا کہ ازل میں موجود تھا۔ اور اس کے ساتھ کوئی چیز بھی نہیں ہے ۔

(6) معرفت

سالک کی سیر کے انواع ومراتب! شیون (شان کی جمع) نے علم کے خانہ میں ایک دوسرے سے باہم ممتاز ہونے کے علاوہ کوئی دوسرا رنگ قبول نہیں کیا اور خارج میں جو کچھ ان

کے باہمی امتیاز کے علاوہ نظر آتا ہے وہ ان کے خارجی لوازم اور احکام میں سے ہے یہی وجہ ہے کہ سالک جب اپنے عین ثابت تک رسائی حاصل کر لیتا ہے اور وہ عین ثابت اس پر منکشف ہو جاتا ہے تو وہ اس میں خارجی شکلوں کی نوعیت کی کوئی چیز نہیں پاتا اور متمیز شے کے علاوہ کوئی دوسری شے اس پر ظاہر نہیں ہوتی اگر اس باہمی امتیاز کے علاوہ کوئی دوسرا رنگ بھی موجود ہوتا ہے تو وہ ظاہر ہو جاتا ہے اور اس کا جو انبساط (پھیلاؤ) نظر آتا ہے تو وہ اس کی وجہ سے ہے کہ وہ متعدد شیونات پر مشتمل ہے اور اس کا کروی (کرہ کی شکل کا گول ہونا) اس وجہ سے ہے کہ بسیط (غیر مرکب) کی طبیعی صورت کروی ہی ہوا کرتی ہے۔

اور بعض مشائخ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم نے جو یہ فرمایا کہ سالک کی سیر کا آخری نقطہ وہی اسم ہے جو اس کے تعین کا مبدا ہوتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی سیر کا آخری نقطہ اس کا عین ثابتہ ہوتا ہے اور اس کے تعین سے مراد اس کا خارجی امتیاز (یعنی خارج میں متمیز ہونا) ہے اور اس تعین اور تمیز کا نقطہ آغاز (مبدا) اس کا یہی عین ثابتہ ہے۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ تعین سے مراد علمی تعین ہو اور مبدا سے مراد شان خارج کے اندر عین ذات ہوتی ہے اور وہ ذات سے متمیز نہیں ہوتی کہ جس سے وہ کسی چیز کا مبدا بن سکتی ہے سیر اس پر ختم ہو سکتی ہے۔

اور عین ثابتہ تک رسائی حاصل کر لینے کے بعد اس کی سیر اسی عین ثابتہ ہی میں ہوتی ہے کیونکہ وہ اتنی شیونات پر مشتمل ہے جن کی کوئی انتہا ہی نہیں ہے اس سیر کو (صوفیہ کی اصطلاح میں) سیر فی اللہ کہتے ہیں۔ چونکہ اس کا علمی تعین ایک ایسا تعین ہے جو مرتبہ جمع میں پایا جاتا ہے اور جن صفات پر وہ مشتمل ہے وہ صفات الٰہی ہیں صفات کونی نہیں ہیں لہذا یہ درحقیقت سیر فی اللہ ہی ہوتی ہیں۔ کیونکہ لفظ "اللہ" سے مراد ذات مع صفات کے ہے صرف ذات احدیت نہیں ہے اور چونکہ ان شیونات الٰہی نے علم کے خانہ میں تعین اور تمیز کا رنگ حاصل کر لیا ہے اور اس نسبت سے وہ موجود اور معدوم کے درمیان برزخ (درمیانی واسطہ) بن گئی ہیں۔ لہذا "سیر فی الاشیا"۔ (اشیاء میں سیر) کو اگر سیر در عالم کہدیں تو یہ بھی صحیح ہو سکتا ہے اسی وجہ سے صوفیائے کرام نے فرمایا کہ آخری نقطہ تک رسائی حاصل کر لینے کے بعد پھر نقطہ اول کی طرف

واپسی ہوتی ہے اور اس سیر کو (صوفیہ کی اصطلاح میں) سیر فی الاشیاء باللہ (خدا کے ساتھ اشیاء کی سیر کرنا) کہتے ہیں۔

اور جس کو (صوفیہ نے) سیر فی اللہ کہا ہے وہ (دراصل) عاشق کے اندر معشوق کی سیر ہوتی ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ عاشق کو جو کچھ بھی اوصاف اور افعال حاصل تھے چونکہ اس نے ان سب کو معشوق کے حوالے کر دیا ہے اور اپنے آپ کو بالکل خالی کر لیا ہے تو اس کے بعد جو فعل بھی اس سے واقع ہو گا وہ اس کی طرف منسوب نہیں ہو گا بلکہ اس کی نسبت معشوق ہی کی طرف ہو گی اس لئے سیر بھی اسی طرف منسوب ہو گی عاشق کا وجود تو اب بجز ایک مکان کے جس سے مراد محض خلا ہے اور کوئی چیز نہیں ہے لہذا لامحالہ یہ عاشق کے اندر معشوق ہی کی سیر ہو گی۔

(7) معرفت

مقام تکمیل اور جمع در تشبیہ و تنزیہ! وہ تشبیہ جو تنزیہ کے بعد ظاہر ہوتی ہے (دراصل) اس کی اپنی عین ثابتہ کا انکشاف ہی ہے اور جو تشبیہ تنزیہ کے ساتھ جمع ہو جاتی ہے وہ یہی تشبیہ ہوتی ہے جو مرتبہ جمع سے تعلق رکھتی ہے اور جو تشبیہ ظہور تنزیہ سے پہلے پیش آتی ہے اور مرتبہ فرق و امتیاز سے تعلق رکھتی ہے وہ تنزیہ کے ظہور کے وقت محو اور معدوم ہو جاتی ہے اور تنزیہ کے ساتھ جمع ہونے کی قابلیت نہیں ہوتی۔

اور تشبیہ و تنزیہ کے درمیان جمع ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ادراک بسیط کا متعلق (یعنی ادراک بسیط جس سے تعلق رکھتا ہے) جو کہ تنزیہ ہی ہے صفات الٰہیہ کے پردہ میں (جن پر عین ثابتہ مشتمل ہے) نزول کرنے کے بعد تشبیہ بن کر علم میں آتا ہے اور وہ ادراک مرکب کا متعلق بن جاتا ہے (یعنی ادراک مرکب اس سے متعلق ہو جاتا ہے) لہذا تکمیل کا مقام یہی جمع بین التشبیہ و التنزیہ کا مقام ہوتا ہے۔ کیونکہ صرف تنزیہ والا شخص اس بات پر قادر نہیں ہے کہ وہ اپنی قوت مدرکہ میں ذات کو حاضر کر سکے کیونکہ ذات کا علم ان صفات الٰہیہ کے

پردہ کے بغیر جن پر عین ثابتہ مشتمل ہے ہو ہی نہیں سکتا۔ اور عین ثابتہ کا انکشاف اس پر ہوا ہی نہیں۔ لہذا وہ شخص جسے مطلوب کا علم ہی نہیں وہ دوسروں کو کس طرح اس کی اطلاع دے سکتا ہے۔ اور مطلوب حقیقی کو صفات کونیہ کے پردے میں نہیں جان سکتے۔ کیونکہ صفات کونیہ میں یہ طاقت نہیں ہے کہ وہ اس کا آئینہ بن سکیں شاہی عطیات تو شاہی سواریاں ہی اٹھا سکتی ہیں۔

فنافی اللہ اسی شخص کو میسر آتی ہے جو اپنے وجود کے ذرہ ذرہ کو تمام چیزوں کا آئینہ سمجھے اور اس میں اشیاء کا مطالعہ کرے اور اس کا ہر ذرہ تمام اشیاء کے رنگ میں رنگا جائے۔ کیونکہ ذات الہیہ کے مرتبہ میں ہر شان، جو فنافی اللہ میں معتبر ہے تمام شیونات پر مشتمل ہے۔ کیونکہ وہ ذات سے متمیز اور الگ نہیں ہیں لہذا جس طرح ذات، سب پر مشتمل ہے اسی طرح اس کی شان بھی سب پر مشتمل ہے۔ لہذا سالک اپنے ہر ذرہ جامعہ کو ہر شان جامع میں فانی کر دیتا ہے اور وہ ہر ذرہ کی بجائے شیون الہیہ میں سے کسی ایک شان کو موجود پاتا ہے اگر چہ وہ اس کی تفصیل سے واقف نہ ہو سکے۔ لہذا جب تک اس کا ہر ذرہ جامعیت کی صفت پیدا نہ کرلے اس کو اس فنا کی قابلیت حاصل نہیں ہوتی اور بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو اپنی قدرت مدرکہ کی کمزوری کی بنا پر اپنی جامعیت کا ادراک نہیں کر سکتے۔ اگر چہ ان میں درحقیقت یہ کمال موجود ہوتا ہے اور وہ فنافی اللہ کے ساتھ مشرف ہو جاتے ہیں۔ اور یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ جو کوئی بھی اس جامعیت کو حاصل کرلے وہ ضرور ہی فنافی اللہ ہو جائے اور یہ اللہ کا فضل وانعام ہے وہ جسے چاہتا ہے دیتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

(8) معرفت

وحدت ذاتی وصفاتی وافعالی! حق تعالیٰ سبحانہ کا فعل اور صفت بھی اس کی ذات کی طرح یگانہ ہے جس میں کثرت کی گنجائش قطعاً نہیں ہے حاصل کلام یہ ہے کہ چونکہ حق تعالیٰ وتقدس کی ذات نے بہت سے ایسے امور کے ساتھ جو ایک دوسرے سے متمیز ہیں تعلق پیدا کرلیا ہے اس لئے اس کے فعل اور صفت نے بھی ان کے ساتھ تعلق پیدا کرلیا ہے کیونکہ یہ

دونوں خارج میں عین ذات ہیں۔ لہذا جس طرح حق تعالیٰ کی ذات متعدد اشیا کے ساتھ تعلق رکھنے کی وجہ سے متعدد ذاتیں دکھائی دیتی ہے اسی طرح اس کا فعل اور صفت بھی اسی تعلق کی بنا پر متعدد اور متکثر نظر آتا ہے مثلاً حق تعالیٰ سبحانہ کا فعل ازل سے لیکر ابد تک ایک ہی فعل ہے وَمَا اَمرُنَا اِلَّا وَاحِدَةٌ کَلَمحٍ بِالبَصَرِ (اور ہمارا امر صرف ایک ہی ہے جیسا کہ آنکھ کا جھپکنا) لیکن چونکہ اس فعل کا تعلق متعدد اشیاء کے ساتھ ہوتا ہے۔ لہذا وہ فعل بھی متعدد نظر آتا ہے اور جیسا کہ حق تعالیٰ کی ذات تمام اضداد کی جامع ہے اسی طرح اس کا فعل اور صفت بھی جامع اضداد ہیں۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے لہذا وہی ایک فعل کسی مقام پر حیات بخشی کی صورت میں ظہور فرماتا ہے اور دوسری جگہ میں موت طاری کرنے کے رنگ میں ظاہر ہوتا ہے اور کسی مقام میں اسی فعل کو اکرام وانعام کہتے ہیں اور دوسرے مقام میں الم رسانی اور انتقام کے نام سے پکارتے ہیں۔

اسی طرح کلام جو حق تعالیٰ سبحانہ کی صفت ہے وہ بھی یگانہ ہے اور ازل سے لیکر ابد تک وہ اسی ایک کلام کے ساتھ متکلم ہے کیونکہ گونگا ہونا یا خاموش ہونا تو اس کی بارگاہ جل ذکرہ کے لئے جائز نہیں ہوسکتا اور وہی ایک کلام مختلف مواقع کی صورت میں نظر آتا ہے کبھی اسے امر کہتے ہیں اور کبھی نہی کہتے ہیں اور کبھی اسم اور کبھی حرف کہتے ہیں وعلی ہذا القیاس۔

اور وہ جو علماء نے کہا کہ لَا یَجرِی عَلَیهِ تَعَالیٰ زَمَانٌ (یعنی حق تعالیٰ پر زمانے کے احکام جاری نہیں ہوتے) اس صورت میں یہی ہے کہ کیونکہ حق تعالیٰ سبحانہ کے سامنے تو ازل سے ابد تک آن واحد ہے جو حاضر ہے اس کی طرف نسبت کرتے ہوئے ماضی اور مستقبل کا کوئی وجود نہیں ہے لیکن چونکہ اسی ایک آن (گھڑی) میں متعدد امور کا ظہور ہوتا اور لوح ہستی پر مختلف چیزیں نظر آتی ہیں لہذا اس تعلق کی وجہ سے وہی ایک آن (گھڑی) بیشمار آنوں اور متعدد زمانوں کی صورت میں نظر آتی ہے۔

اسی طرح حق تعالیٰ سبحانہ کا وجود جو اس کی ذات کا عین ہے بسیط حقیقی ہے (جس میں مرکب ہونے کا کوئی شائبہ بھی نہیں ہوسکتا) اور نقطہ کی طرح اس میں بالکل بھی تجزیہ اور تقسیم

جاری نہیں ہوسکتی۔ لیکن بے شمار اشیاء کے ساتھ تعلق رکھنے کی وجہ سے وہ منبسط (پھیلاؤ والی) اور مسطح (سطح کی طرح فراخ اور وسیع) نظر آتی ہے۔

یہاں یہ اعتراض نہ کیا جائے کہ جب کہ یہ علمی صورتیں اس وجہ سے کہ ان کے ساتھ ذات کی نسبت کا ثبوت ہو جاتا ہے اس طرح نظر آنے لگی ہیں کہ گویا ذات کے آئینے میں مقیم اور ثابت ہیں اور اسی طرح یہ علمی صورتیں اسماء اور صفات کے آئینے بھی ہیں۔ اور یہ اسماء وصفات جو ان میں سے ہر ایک کے آئینے میں ظاہر ہوتی ہیں وہ اسی چیز کی ایک خالص صورت ہوتی ہیں لہذا اس سے لازم آتا ہے کہ ذات میں شے کو غیر شے فرض کیا جائے اور انقسام (تقسیم ہو جانے) اور تجزی (اجزاء بن جانے) کے بھی یہی معنی ہوتے ہیں۔ کیونکہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس اشکال کا جواب چند مقدمات پر مبنی ہے۔

پہلا مقدمہ! تو یہ ہے کہ نقطہ موجود ہوتا ہے اور وہ کسی طریقہ پر بھی انقسام اور تجزی (تقسیم ہو جانے اور جزو جزو بن جانے) کے قابل نہیں ہوتا جیسا کہ حکمائے محققین اور ان کے علاوہ دوسرے حضرات نے فرمایا ہے۔

دوسرا مقدمہ! دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ دلائل سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ دائرہ کا مرکز (ہمیشہ) نقطہ ہی ہوتا ہے جو کسی طرح بھی انقسام (تقسیم ہو جانے) کو قبول نہیں کرتا۔

تیسرا مقدمہ! تیسرا مقدمہ یہ ہے کہ دلائل سے یہ بات بھی ثابت ہو چکی ہے کہ دائرہ کے مرکز میں ایسے خطوط کا نکالنا ممکن ہے جو دائرہ کے محیط تک جا کر ختم ہوں۔ بلکہ یوں کہیے کہ وہ محیط کے نقطوں پر جا کر ختم ہوں۔ کیونکہ جس طرح خط کا مبدا نقطہ ہوا کرتا ہے اسی طرح خط کا منتہا بھی نقطہ ہی ہوا کرتا ہے۔

پس جب تینوں مقدمات معلوم ہو گئے تو اب سمجھئے کہ جب نقطہ سے بیشمار خطوط نکل سکنے اور حقیقی کثرت کا مبدا بن سکنے کے باوجود نقص نہیں آسکتا اور وہ اسی طرح اپنے غیر منقسم ہونے کی کیفیت پر باقی رہتا ہے تو اگر حق تعالیٰ سبحانہ کا وجود بھی کثرت وہمی کا مبدا بن جائے

اوراس کی ذات کے آئینوں میں کثیر اشیا موجود اور ثابت محسوس ہوں تو اس کی بساطت (غیر مرکب ہونے) میں کوئی نقص لازم نہیں آتا اور وہ بطریق اولی اپنی وحدت محضہ پر برقرار رہتا ہے۔ پاک ہے وہ ذات جو اپنی ذات، صفات اور اپنے اسماء میں موجودات کے حادث ہونے کی وجہ سے کسی تغیر کو قبول نہیں کرتی۔

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فتوحات مکیہ میں فرمایا ہے کہ ہر وہ خط کو (مرکز کے) نقطہ سے محیط نکلتا ہے وہ اپنی طرح کے دوسرے تمام خطوط کے برابر ہوتا ہے اور محیط کے نقطہ کی طرف ہی ختم ہوتا ہے اور نقطہ (یعنی مرکز کا نقطہ جس سے یہ تمام خطوط نکلتے ہیں) باوجود ان کے خطوط کی کثرت کے جو اس سے محیط کی طرف نکل رہے ہیں اپنی ذات میں زیادتی وکثرت قبول نہیں کرتا لہذا (اس سے ثابت ہوگیا کہ ایک شے سے جو واحد متعین شے اپنی ذات میں کثرت کو قبول نہیں کرتی۔ لہذا جس کسی نے یہ بات کہی ہے کہ واحد چیز سے واحد چیز ہی صادر ہوسکتی ہے۔ وہ غلط ہے۔

(9) معرفت

موہوب حقانی کا وجود! موہوب حقانی کے وجود سے مراد اس کے عین ثابتہ کا منکشف ہونا ہے یعنی محض حق سبحانہ کے فضل اور مہربانی سے کوئی تعینات کے فنا ہو جانے کے بعد اس پر یہ بات ظاہر ہوگئی کہ اس کا تعین وہی بسیط (غیر مرکب) تعین ہے جس کا تعلق مرتبہ جمع سے ہے۔

(10) معرفت

حقیقت محمدی سے مراد! ذات کی تجلی سے مراد، ذات کا ظہور ہے اور کسی چیز کا ظہور بغیر تعین اور متمیز ہونے کے ناممکن ہے لہذا ذات کی تجلی اور ظہور، تعین ہی کے ساتھ ہوسکتا ہے اور یہ تعین اول ہی سے جو تمام تعینات میں سب سے وسیع تر اور عظیم تر ہوتا ہے اور اس کو وحدت

کہتے ہیں اور وہ اسم جو آں سرور کائنات ﷺ آپ پر کامل ترین درودیں اور مکمل ترین سلام ہوں کا مبداتعین ہے وہ یہی وحدت ہے اور چونکہ سالک کی سیر کی انتہا سے مراد اس کا اس اسم تک رسائی حاصل کرنا ہے جو اس کا مبداتعین ہو لہذا تجلی ذات حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا خصوصی امتیاز ہوگی اور وہ تعین جو تمام صفات اسماء اور نسبتوں اور اعتبارات پر بغیر کسی باہمی امتیاز کے اجمالی طور پر مشتمل ہے اس نے واحدیت کے مرتبہ میں تفصیل اور تمیز پیدا کرلیا ہے اور اس کی وہ اقسام پیدا ہوگئی ہیں جو تمام مخلوقات کے تعینات کا مبدا ہیں، اور وہ اسماء جو تمام مخلوقات کے تعینات کا مبدا ہیں ان سے مراد وہ صفات اور اسماء ہیں جو اس تعین کے تحت مندرج رہی ہیں وہ جنہوں نے واحدیت کے مرتبہ میں تفصیل حاصل کرلی ہے لہذا دوسرے سالکوں کی سیر کی انتہا انہی اسماء اور صفات تک ہوتی ہے اس لئے دوسروں کو صفائی اور اسمائی تجلی حاصل ہوتی ہے اور یہ بات کہ تجلی ذاتی اسی اسم کے پردے میں ہوا کرتی ہے جو صاحب تجلی کا مبداتعین ہوا کرتا ہے اس کا یہی مطلب ہے۔

لہذا حقیقت محمدی کل ہوگی اور باقی موجودات کے حقائق اس کے اجزا ہوں گے اور جو جماعت کہ پیروی مصطفوی ﷺ کی سعادت سے بہرہ مند ہو چکی ہو اور اتباع کے کمال تک پہنچ چکی ہو اسے بھی اسی مناسبت اور متابعت کی وجہ سے تجلی ذاتی سے کچھ حصہ نصیب ہو جاتا ہے چونکہ ان پر یہ بات منکشف ہوگئی ہے کہ ان کی حقیقت خود تمام موجودات کی حقیقتوں کا عین ہے لہذا انہیں اقسام کے تمایز (باہمی امتیاز) اور تفصیل کی تنگی سے رہائی حاصل ہوگئی۔ گویا کہ ان کا مشہود بھی اقسام کے پردہ کے بغیر ہی مقسم ہے اور ان کا مبداتعینات بھی وہی مقسم ہے اقسام نہیں ہیں۔

مثال کے طور پر اسم کو لیجیے جو اس کے پردہ میں کہ وہ فی نفسہ (خود بخود) اپنے مفہوم پر دلالت کرتا ہے اور وہ کسی زمانے کے ساتھ ملا ہوا نہیں ہوتا ایک خاص انداز کا کلمہ ہوتا ہے اور یہی وہ پردہ کلمہ کی باقی تمام اقسام سے اس کے تعین اور تمیز کا مبدا ہوا کرتا ہے لیکن جب اس نے اپنے آپ کو فعل اور حرف کا عین پایا اور تفصیل اقسام اور باہمی امتیاز کی تنگی سے اسے نجات

حاصل ہوگئی اور اب اس نے اپنا مبدا التعین خود اسی کلمہ کو پایا نہ کہ اس کی کسی قسم کو۔

(11) معرفت

خارجی صورتوں اور اشکال کا علمی صورتوں کے ساتھ تعلق! اشیا کی علمی

صورتوں سے مطلب ان کی بارگاہ علم میں ایک دوسرے سے ممتاز ہونا ہے اور وہ جو محققین صوفیہ نے خدائے تعالٰی ان کی تعداد کو بڑھائے فرمایا ہے کہ اشیاء کی صورتیں محض علم ہی میں ہوتی ہیں اور ان کے احکام اور آثار خارج میں پائے جاتے ہیں تو اس بات کا مطلب یہ ہے کہ ان چیزوں کا باہمی امتیاز علم ہی میں ہوتا ہے اور خارج میں حضرت حق سبحانہ وتعالٰی اپنی وحدت ذاتیہ پر ہے، جو ان چیزوں کے احکام وآثار میں ظاہر ہوا ہے اور یہ مطلب نہیں ہے کہ علمی صورتوں سے مراد یہی صورتیں اور شکلیں ہیں جو خارج میں ظاہر ہوتی ہیں کیونکہ یہ صورتیں بھی ان علمی صورتوں کے مقتضیات میں سے ہیں ان کا عین نہیں ہیں۔

مثال کے طور یوں سمجھئے کہ ہر علمی تمیز (دوسروں سے ممتاز ہونا) ایک خاص شکل کا مقتضی ہوتا ہے کہ وہ چیز سیدھی ہے یا ٹیڑھی ہے سیدھی کھڑی ہے یا کبڑی ہو کر کھڑی ہے اور یہ چیزیں ان علمی صورتوں کے آثار ہیں جیسا کہ گرم ہونا ٹھنڈا ہونا، خشک ہونا، تر ہونا، ہلکا ہونا بھاری ہونا لطیف ہونا اور کثیف ہونا یہ سب ان کے احکام اور آثار ہیں اور چونکہ ہر شان جو علم کے اندر تمیز حاصل کرتی ہے وہ بے انتہا شیونات پر مشتمل ہوتی ہے اس لئے لامحالہ علمی صورتوں میں ہر شان کے مطابق بے انتہا تمیزات پیدا ہو گئے اور ہر تمیز ایک الگ حکم اور الگ اثر کا مقتضی ہو گیا اور خارج میں ایک ایسی نامعلوم الکیفیت نسبت کی وجہ سے جو ان چیزوں کو ذات کے ساتھ حاصل ہوگئی ہے ایسا نظر آتا ہے کہ ان کا یہ باہمی امتیاز خارج میں ہے چنانچہ قوت بینائی، قوت سامعت سے الگ ہوگئی اور خارج میں ممتاز ہوگئی اور اسی طرح قوت ذائقہ چکھنے کی طاقت قوت شامہ سونگھنے کی طاقت سے اور اسی طرح دوسری قوتیں بھی ایک دوسرے سے ممتاز ہوگئیں۔

لہذا یہ تعین اور تمیز جو علم کے درجے میں ہے اور اسی کو ممکن کی حقیقت اور اس کا عین ثابتہ کہہ دیتے ہیں اس کا تعلق مرتبہ جمع سے ہوتا ہے اور ان کے یہ احکام و آثار جو شکلوں وغیرہ کی قسم سے خارج میں پائے جاتے ہیں ان کا تعلق مرتبہ فرق سے ہے کیونکہ وہ اسی تمیز کے ذریعے سے پیدا ہوئے ہیں اور ان کے ظہور کا منشاء یہی فرق ہے جو کچھ مرتبہ جمع سے تعلق رکھتا ہے وہ حقائق کونی سے متعلق ہے اگرچہ یہ دونوں مرتبے خود ذات ہی میں مندرج ہیں لیکن ان میں سے دوسرے مرتبہ کا اندراج پہلے مرتبے کے واسطے سے ہوتا ہے بالذات نہیں ہوتا لہذا اول مرتبہ چیز کی قسم کے طور پر ہے اور دوسرا چیز کی قسم کی قسم کے طور پر جب سالک فرق کے تمام مراتب کو طے کر کے جمع کے مرتبہ میں یعنی اپنی عین ثابتہ کے مرتبہ میں پہنچتا ہے تو اس وقت تجلی ذاتی اس کے حق میں اس کے عین ثابتہ ہی کا انکشاف ہوا کرتی ہے۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

(12) معرفت

ذات حق میں یقین کے تین مراتب! حق سبحانہ کی ذات کے بارے میں علم الیقین حاصل ہونے سے مراد ان آیات (نشانیوں) کا شہود ہے جو حق جل جلالہ کی ذات پر دلالت کرتی ہیں کیونکہ ذات کا شہود و حضور تو صرف اس نفس میں ہوتا ہے جس کے لئے تجلی ہوئی ہو اس کے سوا کہیں اور نہیں ہو سکتا۔ سالک جو کچھ اپنے خارج میں مشاہدہ کرتا ہے وہ سب آثار او ردلائل ہی ہوتے ہیں کیونکہ تعینات ذات حق جل وعلا پر دلالت کرتے ہیں لہذا وہ تجلیات جو صورتوں اور انوار کی شکل میں ہوتی ہیں متجلی لہ (جس کے لئے تجلی ہوئی ہو) کی صورت کے سوا ہوتی ہیں وہ علم الیقین میں داخل ہیں جو صورت بھی ہو اور جو انوار بھی ظاہر ہو خواہ وہ نور رنگین ہو یا بے رنگ اس سلسلے میں سب برابر ہیں حضرت مخدومی مولوی عبدالرحمٰن جامی قدس سرہ شرح لمعات میں اس شعر کی تشریح میں فرماتے ہیں

اے دوست ترا بہ ہر مکان می جستم		ہر دم خبرت از این و آن می جستم

ڈھونڈتا پھرتا تھا میں اے دوست تجھ کو جابجا	(ترجمہ)	اور تھا ہر ایک سے تیری خبر میں پوچھتا

یہ شعر مشاہدہ آفاقی کی طرف اشارہ ہے جو علم الیقین کا فائدہ دیتا ہے اور یہ شہود آفاقی چونکہ خود مقصود سے کوئی خبر نہیں دیتا اور اس کا حضور عطا نہیں کرتا۔ صرف آثار وعلامات ہی کے ذریعہ سے اس کا علم بخشتا ہے جیسا کہ دھواں اور حرارت استدلال اور آثار وعلامات ہونے کے سوا آگ کے موجود ہونے کا فائدہ نہیں دیتے تو لامحالہ یہ شہود علم کے دائرہ سے باہر نہیں ہے اور عین الیقین کا فائدہ نہیں دے سکتا۔

حضرت قطب الاقطاب ناصر الدین خواجہ عبید اللہ قدس سرہ العزیز فرمایا کرتے تھے کہ سیر دو طرح کی ہوتی ہے ایک سیر مستطیل اور دوسری سیر مستدیر سیر مستطیل دوری در دوری (بہت ہی دور کی سیر) ہے اور سیر مستدیر قرب در قریب (یعنی بہت ہی قریب کی سیر) سیر مستطیل تو یہ ہے کہ مقصود کو اپنے دائرہ سے باہر تلاش کیا جائے اور سیر مستدیر خود اپنے دل کے گرد گھومنا اور اپنے ہی اندر سے مقصود کو تلاش کرنا ہے۔

(۲) عین الیقین سے مراد بندہ کو اس کے اپنے تعین کا حجاب اٹھ جانے کے بعد حق سبحانہ وتعالیٰ کا شہود حاصل ہونا اور اس بلند مرتبہ جماعت (صوفیہ) قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے نزدیک اس شہود کو ادراک بسیط سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے یہ ادراک عام لوگوں کو بھی حاصل ہوتا ہے لیکن فرق یہ ہے کہ خواص کے لئے حق سبحانہ وتعالیٰ کے غیر کا وجدان کی آگاہی میں رکاوٹ نہیں ہے اور ان کے شہود کی آنکھوں میں حق سبحانہ کے سوا کوئی چیز شہود نہیں ہوتی۔ عوام کی حالت اس کے برعکس ہوتی ہے اور یہ ادراک علم کے منافی ہے وہاں تو حیرت ہی حیرت ہے۔ جیسا کہ علم اس شہود (عین الیقین) کے منافی ہے اسی طرح عین الیقین اس علم الیقین کا حجاب ہے جیسا کہ شیخ اکبر رضی اللہ عنہ نے کتاب الحجب میں بیان فرمایا ہے کہ علم الیقین عین الیقین کا حجاب ہے اور عین الیقین علم الیقین کا حجاب ہے اور دوسری جگہ فرماتے ہیں کہ اس شخص کی نشانی جسے کما حقہ معرفت حاصل ہو چکی ہے یہ ہے کہ جب وہ اپنے سر کی طرف رجوع کرتا ہے تو اسے

اس کا کوئی علم حاصل نہیں ہوتا۔ایسا ہی شخص معرفت میں کامل ہوتا ہے۔جس کے اوپر معرفت کا کوئی درجہ نہیں ہے۔

(۳) حق الیقین سے مراد حق تعالیٰ جل شانہ کا اس کی ذات کے ساتھ شہود ہے اور حق سبحانہ کو خود اپنا عین جاننا ہے اور یہ حق الیقین بقاء باللہ کی صورت میں حاصل ہوتا ہے کہ فنائے حقیقی کے متحقق ہو جانے کے بعد حق سبحانہ اسے اپنے پاس سے موہوب حقانی کے وجود سے مشرف فرما دیتا ہے۔یہاں پہنچ کر علم اور عین ایک دوسرے کے حجاب نہیں رہتے وہ عین شہود میں عالم ہوتا ہے اور عین علم میں شاہد (صاحب شہود ہوتا ہے) اور یہ تعین جسے (صوفیہ) عین حق سمجھتے ہیں۔اس مرتبہ میں تعین کونی نہیں ہے کیونکہ اس کا تو کوئی نشان ہی باقی نہیں رہا بلکہ یہ تعین حقانی ہوتا ہے جسے اکابر کے ہاں وجود موہوب حقانی کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے اور جو صوری تجلیات والے حضرات اپنی صورتوں اور تعینات کو حق مانتے ہیں وہ تعیناتِ کونی ہوتے ہیں کیونکہ ان پر کوئی فنا طاری نہیں ہوتی اور یہ فرق چونکہ بعض متوسطین راہ پر واضح نہیں ہو سکا تو انہوں نے خیال کر لیا کہ اکابر صوفیہ حق الیقین میں بھی انہی تعینات کونی کو حق جانتے ہیں اور ان کی یہ جہالت اکابر قدس اللہ اسرارہم پر طعن کرنے کا باعث بن گئی ہے اور انہوں نے گمان کر لیا ہے کہ ہمیں پہلے ہی قدم میں جو تجلی صوری کا مقام ہے اور جسے کشف ملکوت سے تعبیر کرتے ہیں یہ حق الیقین حاصل ہو جاتا ہے

(13) معرفت

صوفیہ اور متکلمین میں معرفت کے متعلق اختلافات! معرفت خداوی عزوجل

صوفیاء کرام اور اکثر متکلمین کے نزدیک بالاتفاق واجب ہے خدائے تعالیٰ ان کی مساعی کو مشکور فرمائے لیکن (صوفیہ و متکلمین کا) اس طریقہ میں اختلاف ہے جو معرفت کی طرف پہنچانے والا ہے صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ معرفت کا طریقہ ریاضت اور تصفیہ باطن ہے اور متکلمین جن کا تعلق اشاعرہ اور معتزلہ سے ہے فرماتے ہیں کہ اس کا طریقہ غور و فکر اور

استدلال ہے۔

اور اس میں ذرا بھی شبہ نہیں کہ ان دونوں جماعتوں کے درمیان جو جھگڑا ہے وہ صرف لفظی ہے یعنی اختلاف محض لفظ معرفت کی تفسیر پر مبنی ہے صوفیائے کرام تو معرفت سے ایسی بسیط ذات کی دریافت مراد لیتے ہیں جس کا تعلق وجدان سے ہے (اور ظاہر ہے) کہ یہ تصدیق ایمانی کی صورت سے مختلف چیز ہے اور متکلمین معرفت سے تصدیق ایمانی کی صورت مراد لیتے ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ پہلے معنی کے لحاظ سے معرفت حاصل کرنے کا طریقہ ریاضت اور تصفیہ باطن ہی ہے اور تصدیق ایمانی کی صورت کے حاصل کرنے کا طریقہ غور وفکر اور استدلال ہی ہوسکتا ہے اور وہ جو علماء نے فرمایا ہے کہ سب سے پہلی چیز جو ایک مکلف آدمی پر واجب ہے وہ اللہ تعالیٰ کی معرفت ہے تو وہاں معرفت سے مراد دوسرے معنی کی معرفت ہی ہے پہلے معنی کی نہیں کیونکہ پہلے معنی کے لحاظ سے معرفت کا حصول حق الیقین میں ہوتا ہے جو اہل اللہ کے کمال کا آخری نقطہ ہے۔

نیز ان دونوں معرفتوں کا فرق ایک دوسری عبارت میں بیان کرتا ہوں۔

صوفیائے کرام کی معرفت کو حق تعالیٰ سبحانہ کے ساتھ علم حضوری سے تعبیر کرتے ہیں اور جو کہ فنا اور بقا کے بعد ہی حاصل ہوتی ہے اس معرفت کو پہچاننے اور پالینے (شناختن اور یافتن) سے تعبیر کرتے ہیں اور متکلمین کی معرفت سے مراد حق تعالیٰ سبحانہ کا علم حصولی ہے اور جو غور وفکر اور استدلال کا نتیجہ ہوتا ہے اس کی توضیح یہ ہے کہ ہر وہ علم جو خارج سے حاصل ہو اس سے مراد شے معلوم کی صورت کا حصول ہوتا ہے یا یوں کہیے کہ صاحب علم کی قوت مدرکہ میں اس کی جو صورت حاصل ہوتی ہے ۔۔۔۔۔۔ اس علم کو علم حصولی کہتے ہیں اور جس علم کی یہ کیفیت نہ ہو یعنی وہ خارج سے حاصل نہ ہو بلکہ خود صاحب علم کی ذات سے متعلق ہو اس علم کو علم حضوری کہتے ہیں اور جب عارف اپنی ذات وصفات کی فنا کے بعد بقا باللہ سے مشرف ہو جاتا ہے اور اس کی انا یعنی ہستی اس کے وجود کونی سے بالکل ہی بے تعلق ہو جاتی ہے اور حقیقت پر مطلع ہو جاتی ہے تو وہ لامحالہ علم حصولی سے علم حضوری کے مرتبہ میں منتقل ہو جاتا ہے

اور دانستن (جاننے سے) یافتن (پالینے) کے درجہ میں رسائی حاصل کرلیتا ہے۔ کیونکہ یافت (پالینا) یابندہ (پانے والے) کی ذات سے باہر نہیں ہوتی۔

(مذکورہ بالا عبارت سے)

ازالہ وہم! معاذ اللہ! اس جگہ کوئی سادہ لوح آدمی حلول اور اتحاد کا مفہوم نہ سمجھ لے اور اکابرین کے ساتھ کسی قسم کی بدگمانی ظاہر نہ کرے یا خود بداعتقادی کے بھنور میں پھنس کر ہلاک نہ ہوجائے۔ معلوم ہونا چاہیے کہ ولایت کا انداز عقل اور فکر کے انداز سے بلند ہے اور اس کا طریقہ کشف صحیح ہے غور وفکر اور استدلال کی اس مقام میں گنجائش نہیں ہے

پائے استدلالیاں چوبین بود		پائے چوبین سخت بے تمکین بود
پاؤں استدلال کے ہیں چوب کے	(ترجمہ)	کوئی ان پر کب بھروسہ کرسکے

اور حکماء اور امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے حق سبحانہ وتعالیٰ کی ذات کی معرفت کے انکار کے سلسلہ میں جو کچھ کہا ہے تو وہ معرفت تصدیق ایمانی کی صورت میں ہے چنانچہ ان کے انکار کے دلائل سے یہی معلوم ہوتا ہے جیسا کہ انہوں نے فرمایا ہے کہ "حق تعالیٰ کی ذات کی معرفت خواہ بداہت کے ساتھ ہو یا غور وفکر کے ساتھ دونوں کی دونوں باطل ہیں۔"

اس مبحث کی تفصیل علم کلام کی کتابوں میں لکھی ہوئی ہے نیز انہوں نے معرفت ذات کے انکار سے ذات کی کنہ اور حقیقت مراد لی ہے اور نہ کہ معرفت بوجہ (کسی ایک طرح کی معرفت) کیونکہ معرفت ذات بوجہ تو سب ہی کو حاصل ہے جیسا کہ (مثلاً) ذات کی معرفت وصفِ خالقیت کے ساتھ یا رزاقیت کے ساتھ جانتے ہیں جیسا کہ ان حضرات نے کہا ہے۔

واضح رہے کہ کسی چیز کی ایک گونہ معرفت (معرفت بوجہ) اور وجہ شے (حقیقت شے) کی معرفت میں بڑا فرق ہے اور یہاں جو ہم بحث کررہے ہیں وہ درجہ ذات کی معرفت میں کررہے ہیں نہ کہ معرفت ذات بوجہ (یک گونہ معرفت) میں اگر کوئی کہے کہ یہ توجیہ فعل خلق اور فعل زرق میں تو مسلم ہے کیونکہ کہہ سکتے ہیں کہ معلوم فعل خلق ہے نہ کہ ذات مع فعل خلق لیکن

یہ بات خالقیت میں صحیح نہیں ہو سکتی کیونکہ خالقیت کے معنی تو اس ذات کے ہوتے ہیں جس کے لئے فعل خلق ثابت ہے تو ذات بھی اس صفت کے ساتھ معلوم ہو گئی۔

میں اس کے جواب میں کہتا ہوں کہ ذات سے مراد یا تو ذات کا مفہوم ہے یا مصداق اگر مفہوم ہے تو وہ عرض عام ہے لہذا معلوم ہونے والی چیز وہی وجہ ہے نہ کہ ذات اگر مراد مصداق ہے تو اس کا علم کنہ ذات کے علم کو مستلزم ہے کیونکہ چیز کی حقیقت اور کنہ سے مراد خود وہی چیز ہے لہذا اب بالفرض اگر اس علم کا تعلق حق تعالیٰ کی ذات سے ہو تو لازمی طور پر وہ حق تعالیٰ کی ذات کی کنہ (حقیقت) کا علم ہوگا۔ کیونکہ ذات نہ متجزی ہے نہ متبعض (یعنی نہ اس کے جزو ہو سکتے ہیں نہ ٹکڑے ہو سکتے ہیں) کہ اس کا کچھ حصہ معلوم ہوا اور دوسرا کچھ حصہ معلوم نہ ہو بلکہ وہ تو بسیط حقیقی (حقیقۃ غیر مرکب) ہے لہذا جب فرض کر لیا جائے کہ علم اس کی ذات سے متعلق ہے تو اس سے اس کی ذات کی کنہ (یعنی حقیقت) کا علم لازم آتا ہے۔ برخلاف مخلوقات کے کہ ان کا ایک گونہ علم (علم بوجہ) ان کی کنہ (حقیقت) کے علم کو مستلزم نہیں ہے۔ بلکہ ان کی حقیقت میں سے کچھ اس وجہ (ایک گونہ علم) کے ضمن میں معلوم ہو جاتا ہے۔ اور کنہ (حقیقت) سے مراد تو پوری حقیقت ہوا کرتی ہے مثلاً انسان کو ایسی چیز کی وجہ سے جان لینا جو اس کی حرکت ارادی پر دلالت کرتی ہو اس سے انسان کی حقیقت کا کچھ حصہ ہی معلوم ہو سکتا ہے نہ کہ اس کی وہ کنہ اور حقیقت جس سے مراد اس کی پوری حقیقت ہے ایسے ہی مثلاً اس کا ہنسنا جس کا منشا اس کا تعجب ہے۔ وہ عجیب امور کے ادراک کر لینے پر دلالت کرتا ہے اس سے بھی انسان کی حقیقت کا ایک جزو ہی معلوم ہو سکتا ہے۔

حاصل یہ کہ جہاں کہیں حقیقت اجزا بننے اور حصے ہونے (تبعض و تجزی) کے قابل ہو وہاں کسی چیز کا ایک گونہ علم کنہ (حقیقت) کے علم کو مستلزم نہیں ہوتا اور جہاں کہیں وہ چیز بسیط حقیقی (حقیقۃ غیر مرکب) ہو جو کسی طرح پر بھی حصے ہونے کو قبول نہ کر سکے تو اگر علم اس سے متعلق ہوگا وہ کیسا ہی علم کیوں نہ ہو اس کی کنہ معلوم ہو جائے گی جیسا کہ ذات واجب تعالیٰ ہے اور کنہ (ذات حق کی حقیقت) کی معرفت محال ہے جیسا کہ اوپر بیان ہوا لہذا حق جل وعلا کی

ذات کی معرفت مذکورہ معنی میں مطلقاً ممنوع ہوگی۔ خواہ وہ معرفت کنہ کی معرفت مذکورہ معنی میں مطلقاً ممنوع ہوگی۔ خواہ وہ معرفت کنہ (حقیقت) کی ہو یا بوجہ (یک گونہ) ہو۔ کیونکہ علم کی حقیقت تو اس بات کی مقتضی ہے کہ وہ شے معلوم کا احاطہ کرلے اور ماسوا سے اسے الگ کر کے پہچان لے۔ لیکن حق تعالیٰ عزشانہ کی ذات تو کسی شخص کے بھی احاطہ میں نہیں آسکتی۔ وَلَا یُحِیطُونَ بِهٖ عِلماً (اور علم کی رو سے وہ اس کا احاطہ نہیں کرسکتے) کیونکہ احاطہ اور تمیز کا تقاضا یہ ہے کہ وہ چیز محدود ہو جس کا احاطہ اور تمیز حاصل ہورہی ہے اور باری تعالیٰ کی شان میں یہ ممکن نہیں ہے۔ لہذا اس کے ساتھ تو علم متعلق ہی نہیں ہوسکتا اور حق تعالیٰ کی ذات کسی کی معلوم نہیں بن سکتی الغرض جب اس کی وجوہ کا علم حاصل ہوتا ہے تو لوگ یہ خیال کرلیتے ہیں کہ ان وجوہ کے ذریعے سے ان کا حق تعالیٰ کی ذات کا علم بھی حاصل ہوگیا ہے لیکن اس دقیق فرق کو سمجھنا ان کے بس کی بات نہیں ہوتی۔

بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ حق تعالیٰ شانہ کی صفات بھی اس کی ذات ہی کی طرح غیر معلوم ہیں کسی طرح سے بھی علم کے احاطہ میں نہیں آتیں اور وہ کسی مخلوق کے لئے معلوم بھی نہیں بنتیں۔ مثلاً حق تعالیٰ کی صفت علم کا اندازہ وہ نہیں ہے جو مخلوقات کے علوم کا ہوتا ہے۔ کیونکہ اس صفت علم کا جو مخلوقات میں پائی جاتی ہے، معلوم کے انکشاف میں کوئی دخل نہیں ہوتا سوائے اس کے کہ حق تعالیٰ سبحانہ ہی جیسا کہ اس کا قانون جاری ہے اس صفت کو پیدا فرمانے کے بعد اس کے موصوف میں انکشاف کو بھی خود ہی پیدا فرمادیتا ہے۔ اگر اس انکشاف میں صفت علم کی اثر اندازی کے ہم کچھ قائل بھی ہوجائیں خواہ فی الجملہ ہی سہی جیسا کہ بعض متکلمین نے کہا ہے اور انہوں نے اس اثر اندازی کو اس میں پیدا کیا ہے۔ (تو یہ اثر اندازی بھی اس میں اپنی ذاتی نہیں ہے بلکہ خدا ہی کی پیدا کردہ ہے) اسے موثر ہونے میں کوئی دخل نہیں ہے صرف اتنا ہے کہ اس نام کا اس پر اطلاق کردیتے ہیں اس کے برعکس خالق تعالیٰ شانہ میں صفت علم کی یہ کیفیت نہیں ہے بلکہ اس کو مخلوق کی صفت علم کے ساتھ سوائے نام کے اشتراک اور رسمی اطلاق کے کوئی مناسبت ہی نہیں ہے۔ اسی طرح بارگاہ حق عزشانہ میں قدرت اور ارادہ

کی صفات، تمام افعال کے صادر ہونے کا سرچشمہ (مبدا) اور وجود مخلوقات کا منشاء ہیں۔ لیکن یہی قدرت اور ارادہ کی صفات جو مخلوقات میں پائی جاتی ہیں ان کی کیفیت نہیں ہے۔ بلکہ کسی چیز کے ساتھ اس کی قدرت اور ارادہ کے متعلق ہو جانے کے بعد حق تعالیٰ سبحانہ ہی قانون قدرت کے طور پر اس چیز کو پیدا کر دیتا ہے اور خود ان کی قدرت کو اس چیز کے وجود میں کوئی دخل نہیں ہوتا۔ بجز اس کے کہ ان صفات کا تعلق اس چیز کے ساتھ قائم ہو جانے کے بعد، خدائے تعالیٰ اس چیز کو پیدا کر دیتا ہے۔ یہی حال باقی تمام صفات کا ہے اور ہر معلوم جو صاحب علم سے مناسبت نہ رکھتا ہو اس کے علم کی قید میں نہیں آ سکتا اور اسے معلوم نہیں ہو سکتا۔ یہ علمائے معقول کے نزدیک ایک مسلمہ اصول ہے لہذا اس کی صفات بھی کسی طرح معلوم نہیں ہو سکتیں۔ جیسا کہ حق تعالیٰ کی ذات بے چوں اور بچگونہ (بے مثل و بے مثال) ہے اسی طرح اس کی صفات بھی بے چوں و بچگونہ ہیں۔ چوں کو بے چوں کی دنیا میں راستہ کیسے مل سکتا ہے۔

سوال! یہاں ایک زبردست اشکال باقی رہ جاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ جب حق تعالیٰ کی ذات اور صفات کا علم حاصل کرنا ممکن نہیں ہے تو ان کی معرفت بھی محال ہوگی۔ پھر معرفت کے واجب ہونے کے کیا معنی ہوں گے؟

جواب! میں کہتا ہوں کہ ذات اور صفات میں معرفت سے مراد ذات سے نقیضوں (اس کی ضد بالمقابل چیزوں) کا سلب کرنا نفی کرنا نہ کہ ذات کا علم حاصل کرنا، مثلاً ذات میں معرفت سے مراد یہ ہے کہ (ہم یہ جان لیں کہ) وہ جسم نہیں ہے، وہ جوہر نہیں ہے، وہ عرض نہیں ہے، اور مثلاً صفات میں معرفت سے مراد یہ ہے کہ (ہم جان لیں کہ) اس میں جہالت نہیں ہے، عاجزی نہیں ہے، اندھاپن نہیں ہے، گونگاپن نہیں ہے غرضیکہ ان ہی اضداد کے سلب ہونے (یعنی نفیوں) سے حق تعالیٰ عز سلطانہ کی ذات اور صفات کا وجوب سمجھا جا سکتا ہے۔

پیش از یں پے نبردہ اند کہ ہست

ترجمہ — اس کی ہستی سے زیادہ کچھ نہیں اس کا پتہ

سوال! اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اس میں تو کوئی شبہ ہی نہیں کہ حق تعالیٰ کی ذات پر حکم کیا جاتا ہے کہ وہ عالم ہے وہ قادر ہے وغیرذالک اور یہ حکم لگانا اس بات کو مستلزم ہے کہ ذات کا تصور ہوتا ہے کیونکہ حکم خواہ ایجابی ہو یا سلبی بغیر موضوع کے تصور کے ہو ہی نہیں سکتا

جواب! تو میں (اس کے جواب میں) کہوں گا کہ ہاں اس قضیہ میں موضوع کا تصور ضرور متحقق ہے۔ لیکن جس چیز کا تصور ہوتا ہے وہ ذات نہیں ہے۔ حق تعالیٰ عزشانہ کی ذات اس سے منزہ اور برتر ہے۔ لیکن چونکہ یہ متصور تنزیہی ہے جوکہ ذات سے ہی نکلا ہوا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔وہ غیر تنزیہی تصور کردہ چیزوں کی بہ نسبت ذات کے ساتھ زیادہ مناسبت رکھتا اس لئے اس کے تصور کو ذات ہی کا تصور سمجھ لیا گیا ہے یہ سمجھ لینا مبنی برضرورت ہے کیونکہ قوت بشریہ حق تعالیٰ شانہ کی ذات کے ادراک سے قاصر ہے مگر اس کے باوجود لوگوں کو احکام کی معرفت کی ضرورت ہے۔ جن کے ذریعے سے اس کی ذات سے تمیز دی جاسکے۔

بعض محققین متکلمین نے فرمایا ہے کہ معرفت سے مراد یہ ہے کہ حادث اور قدیم کے درمیان امتیاز حاصل ہو جائے۔ حضرت امام المسلمین ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا ارشاد بھی اسی معنی میں ہوسکتا ہے کہ۔ سُبحَانکَ مَا عَبَدنَا کَ حَقَّ عِبَادَتِکَ وَلٰکِن عَرَفنَاکَ حَقَّ مَعرِفَتِکَ۔ (خدایا! تیری ذات پاک ہے جیسا کہ تیری عبادت کا حق تھا ہم عبادت تو نہیں کر سکے لیکن جیسا کہ تیری معرفت کا حق تھا ہم نے تیری معرفت حاصل کر لی ہے) پاک ہے وہ ذات جس نے اپنی طرف مخلوق کے لئے کوئی راستہ ہی نہیں رکھا بجز اس کی معرفت سے عاجز رہ جانے کے لیکن جو معرفت اہل اللہ کے ساتھ مخصوص ہے اس کا تحقق (اظہار) طالب کی استعداد کے آئینے کے انداز کے مطابق ہی ہوتا ہے۔

بقدر آئینہ تو می نماید رو

ترجمہ ترا جلوہ بقدر آئینہ ہے

اور اس آئینے کی تنگی اور وسعت صاحب آئینہ کی تنگی اور وسعت کے مطابق ہی ہوتی ہے۔ اور

ہر چیز کا رب (تربیت کرنے والا) اس چیز کا ایک خاص سبب اور اس کا قیوم ہوا کرتا ہے اپنے خاص سبب کے سوا کسی اور میں معرفت نہیں ہوا کرتی اور اپنی حقیقت سے باہر حصول کی کوئی صورت نہیں بنتی۔

گرچہ عمرے تنگ زندہ درخود بود		ذرہ گر بس نیک ور بس بدبود
بھاگا تمام عمر رہا خود میں اسیر	ترجمہ	ہونیک یا کہ بد ہو کوئی ذرہ حقیر

حضرت خواجہ خواجگان خواجہ (بہاؤالدین) قدس اللہ سرہ الاقدس نے اس مضمون کی طرف اشارہ فرمایا کہ۔۔۔۔۔۔فنا اور بقا کے بعد اہل اللہ جو کچھ دیکھتے ہیں وہ اپنے ہی میں دیکھتے ہیں اور جو کچھ پہچانتے ہیں وہ اپنے ہی میں پہچانتے ہیں اور ان کی حیرت خود اپنے ہی میں موجود ہوتی ہے۔وَفِی اَنفُسِکُم اَفَلا تُبصِرُون (اور تمہارے اپنے نفسوں ہی میں موجود ہے تو کیا تم دیکھتے نہیں ہو) اور یہ معرفت خود حیرت ہی ہوتی ہے۔

حضرت ذوالنون مصری قدس اللہ تعالیٰ سرہ فرماتے ہیں کہ۔۔۔۔۔۔اَلمَعرِفَةُ فِی ذَاتِ اللہِ حَیرَةٌ (اللہ تعالیٰ کی ذات میں معرفت محض حیرت ہے) ایک دوسرے بزرگ فرماتے ہیں کہ اَعرَفُهُم بِاللہِ اَشَدُّ تَحَیُّراً فِیهِ (یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ عارف تر وہی شخص ہے جس کا تحیر اس کی ذات میں شدید تر ہو) اگرچہ اکثر مشائخ قدس اللہ اسرارہم نے ذات حق کی معرفت میں اس کی صراحت فرمائی ہے لیکن اس فقیر (یعنی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ) کے نزدیک معرفت صفات سے مراد بھی صفات کے اندر حیرت ہی ہے جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے۔

(14) معرفت

واجب تعالیٰ کے وجود کی تحقیق! واجب تعالیٰ کا وجود جمہور متکلمین کے نزدیک اس کی ذات عز شانہ پر زائد ہے اور حکماء۔۔۔۔۔۔۔اور شیخ ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ اور بعض صوفیہ کے نزدیک یہ وجود عین ذات ہے اور اس فقیر کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ واجب تعالیٰ

اپنی ذات کے ساتھ موجود ہے نہ کہ وجود کے ساتھ۔۔۔۔۔۔برخلاف باقی موجودات کے کہ وہ سب وجود کے ساتھ موجود ہیں اور جو وجود ذات پر محمول ہے وہ عقلی منتزعات (الگ کی ہوئی اور نکالی ہوئی چیزوں) میں سے ہے یعنی عقل وجود کی ذات سے موجود کے وصف کو الگ نکال کر ذات پر محمول کر دیتی ہے اور اگر متکلمین کی مراد وجود زائد سے یہی الگ نکالا ہوا وجود ہے تو اس کی بات درست ہے اور مخالف کے لئے اس میں انکار یا نزاع کی کوئی مجال نہیں رہتی۔ اور اگر وہ ایسا وجود مراد لیتے ہیں کہ اس وجود کے ساتھ واجب تعالیٰ موجود ہے جیسا کہ بظاہر ان کی عبارت سے مفہوم ہوتا تو پھر خدشے اور تردد کا مقام ہے اور اگر حکماء اور شیخ ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ اور بعض صوفیہ بھی واجب تعالیٰ کو اپنی ذات کے ساتھ موجود کہتے ہوں، بغیر اس کے کہ وہ وجود کے قائل ہوں اور اسے عین ذات ثابت کریں اور بغیر اس کے کہ وہ دلائل و براہین کے محتاج ہوں اور بیکار مقدمات کا ارتکاب فرمائیں تو یہ بات زیادہ اقرب اور صحیح ہوگی۔

صوفیوں کے حال پر تعجب! اور ان صوفیوں پر تعجب ہوتا ہے کہ باوجودیکہ وہ ذات حق عز شانہ میں تمام نسبتوں اور تمام اعتبارات کو تو ساقط کر دیتے ہیں اور تنزلات کے مراتب میں ان کو درج کرتے ہیں لیکن اس کے ساتھ ہی وہ وجود کو بھی ذات کے مرتبہ میں ثابت کر دیتے ہیں۔ یہ تو بجز تناقض کے اور کچھ بھی نہیں ہے اس کے جواب میں یہ نہ کہ دیا جائے کہ وہ حضرات وجود کو بھی عین ذات تو کہتے ہیں لیکن اسے وہ نسبتوں اور اعتبارات میں سے شمار نہیں کرتے۔ کیونکہ اس کے جواب میں میں یہ کہتا ہوں کہ غیبت خارج کے اعتبار سے ہے ذہن کے اعتبار سے نہیں ہے اور ان حضرات کے نزدیک تمام صفات اسی قسم کی ہیں کہ تعقل (سمجھنے) میں تو ذات سے الگ اور مغائر ہیں لیکن خارج میں عینِ ذات ہیں۔ کیونکہ سوائے ایک ذاتِ احدیت کے ان کے نزدیک کوئی اور چیز موجود نہیں ہے لہذا لازم آتا ہے کہ وہ تمام اعتبارات کو ذات کے مرتبہ میں ہی ثابت کریں۔ اور یہ بات غلط ہے اور وہ خود بھی اس کے

برعکس کے ہی معترف ہیں۔ جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے۔

سوال! اگر یہ حضرات فرمائیں کہ ذات سے مراد وحدت ہے جو کہ تعین اول ہے اور اس مرتبہ میں انہوں نے متعین پر تعین کے زائد ہونے کا لحاظ نہیں کیا ہے اس مرتبہ میں وہ صرف وجود کا اثبات کرتے ہیں برخلاف باقی تمام نسبتوں اور اعتبارات کے کیونکہ ان کا لحاظ واحدیت کے درجہ میں ہوتا ہے جو اس سے ایک قدم نیچے کا درجہ ہے۔

جواب! تو میں اس کے جواب میں کہوں گا کہ تقدیر پر ان کی یہ ساری گفتگو متکلمین کے ساتھ نہیں ملتی۔ کیونکہ متکلمین تو ذات سے مراد ذات محض لیتے ہیں جو تمام تعینات سے اوپر ہے اور وجود کو اس ذات پر زائد جانتے ہیں اور جو فرق اوپر بیان کیا گیا ہے وہ زیادتی کو دور کرنے میں کوئی فائدہ نہیں بخشتا زائد بہر حال زائد ہے خواہ مرتبہ اولی میں یا مرتبہ ثانیہ میں

ابوالمکارم رکن الدین شیخ علاؤالدولہ سمنانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ فَوقَ عَالَمِ الوَجُودِ عَالَمُ المَلِکِ الوَدُودِ۔ (محبت فرمانے والے بادشاہ (خدا) کی دنیا، وجود کی دنیا سے اوپر ہے) اس عبارت کی تصریح ہے کہ وجود ذات سے الگ ہے مختصر یہ ہے کہ اگر واجب تعالیٰ کو خود اپنی ذات ہی کے ساتھ موجود کہیں اور کسی نئے وجود کے قائل نہ ہوں تو یہ زیادہ بہتر مناسب ہے اور اگر وجود کے قائل نہ ہوں تو یہ زیادہ بہتر اور زیادہ مناسب ہے اور اگر وجود کے قائل ہوتے ہیں تو پھر یقیناً ذات اور وجود دونوں میں مغایرت ماننی پڑے گی اور ذات حق عز سلطانہ پر اس کے زیادہ ہونے کا قائل ہونا پڑے گا۔ لہذا اس تقدیر پر متکلمین کی بات اس نظریہ کے مخالفین کی بات کے مقابلہ میں صحیح اور درستگی سے زیادہ قریب ہے۔

وجود کا بدیہی اور نظری ہونا! رہ گئی یہ بات کہ واجب تعالیٰ کا وجود بدیہی ہے یا نظری؟ تو جمہور متکلمین اس کے نظری ہونے کے قائل ہیں اور امام غزالی اور امام رازی رحمہما اللہ اس کے بدیہی ہونے کا جزم اور یقین رکھتے ہیں بعض متاخرین نے ان دونوں قولوں کو جمع کرنے کے لئے کہا ہے کہ یہ بعض لوگوں کی نسبت سے بدیہی ہوتا ہے اور بعض دوسرے

لوگوں کی نسبت سے نظری ہوتا ہے اور اس فقیر کے نزدیک صحیح یہی ہے کہ وہ مطلقاً بدیہی ہے اور بعض لوگوں پر اس کا مخفی رہ جانا اس کے بدیہی ہونے کے منافی نہیں ہے کیونکہ بدیہی ہونا اس بات کو مستلزم نہیں ہے کہ سب لوگ اسے جان لیں بلکہ بہت سے اہل عقل نے تو بعض کھلی بدیہی چیزوں کا بھی انکار کر دیا ہے اور یہ حضرات واجب تعالیٰ کے وجود پر دلیلیں لائے ہیں، وہ سب اس کے بدیہی ہونے پر متنبہ کرتی ہیں جس طرح محسوسات کے ادراک میں یہ شرط ہے کہ حس ظاہری آفات سے صحیح سالم اور محفوظ ہو اور جس طرح ان آفات کے پائے جانے کی وجہ سے ان کا ادراک نہ کر سکنا محسوسات کے بدیہی ہونے کے منافی نہیں ہوتا بالکل اسی طرح عقلی معاملات کے ادراک میں بھی قوت مدرکہ کا آفات معنویہ اور امراض خفیہ (پوشیدہ) سے سلامت اور محفوظ ہونا بھی شرط ہے اور بوجہ آفات کے ان کا ادراک نہ کر سکنا ان کے بدیہی ہونے کے منافی نہیں ہوگا جو جماعت اس کے بدیہی ہونے پر یقین رکھتی ہے حق سبحانہ نے اس کے حال کی خبر دیتے ہوئے فرمایا قَالَتْ رُسُلُهُمْ اَفِی اللّٰہِ شَکٌّ۔ (یعنی ان رسولوں نے کہا کہ کیا تمہیں خدا کے بارے میں شک ہے) اور چونکہ یہ مضمون بعض کم فہم لوگوں کے لئے واضح نہیں تھا لہٰذا اس کے بعد ان الفاظ کے ساتھ تنبیہ فرما دی ہے۔ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ (کیا تمہیں اس خدا کے بارے میں شک ہے جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے)

(15) معرفت

صفات کا وجود ذات پر زائد ہے! اہل حق صفات کے وجود کے قائل ہیں اور ان کے وجود کو ذات کے وجود پر زائد سمجھتے ہیں۔ وہ حق تعالیٰ سبحانہ کو علم کے ساتھ عالم اور قدرت کے ساتھ قادر جانتے ہیں وعلیٰ ہذا القیاس اور معتزلہ و شیعہ اور حکماء صفات کی نفی کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ جو چیز صفات پر مترتب ہوتی ہے وہ خود ذات پر ہی مترتب ہوتی ہے۔ مثلاً مخلوقات میں (چیزوں کا) انکشاف کو ذات حق عز سلطانہ پر مترتب کہتے ہیں لہٰذا اس اعتبار سے ذات

علم کی حقیقت ہے اور اسی طرح قدرت اور وحدت الوجود کے قائل ہیں صفات کی نفی کے مسئلہ میں معتزلہ اور حکماء کے ساتھ متفق ہیں۔

سوال !اگر کوئی شخص یہ کہے کہ صوفیہ مذکورہ صفات کو مفہوم اور تعقل (عقل و سمجھ میں آنے) کے اعتبار سے غیر ذات کہتے ہیں اور تحقق یعنی وجود خارجی کے اعتبار سے عین ذات کہتے ہیں لہذا ان کا مذہب حکماء اور متکلمین کے مذاہب کے دمیان ایک واسطہ ہوگا کیونکہ حکماء صفات کو مطلقاً عین کہتے ہیں اور متکلمین مطلقاً غیر کہتے ہیں اور یہ لوگ خارج کے اعتبار سے عین کہتے ہیں اور مفہوم کے اعتبار سے غیر کہتے ہیں۔

جواب ! تو میں اس کا یہ جواب دوں گا کہ ہم یہ بات تسلیم نہیں کرتے کہ حکماء (خارج کی طرح) تعقل اور مفہوم کے اعتبار سے بھی (صفات کو) عین ذات کہتے ہیں۔ بلکہ سارا جھگڑا وجود خارجی ہی میں ہے وجود ذہنی میں نہیں ہے صاحب مواقف نے اس کی وضاحت فرمائی ہے متکلمین صفات کو ذات پر ایک زائد وجود کے ساتھ خارج میں موجود مانتے ہیں اور حکماء اور معتزلہ خارج میں (صفات کو) عین ذات سمجھتے ہیں مذکورہ صوفیہ بھی اس مسئلہ میں حکماء اور معتزلہ کے ساتھ قطعاً متفق ہیں۔ لیکن یہ حضرات اس مسئلہ مذکورہ فرق سے اپنے آپ کو حکماء اور معتزلہ سے الگ کر لیتے ہیں اور صفات کی نفی سے انکار کر دیتے ہیں لیکن آپ جانتے ہیں کہ اس فرق سے انہیں کچھ بھی فائدہ حاصل نہیں ہوسکتا۔

ان کے شیخ اور رئیس نے کہا ہے کہ کچھ لوگ صفات کی نفی کی طرف گئے ہیں لیکن انبیا اور اولیاء کا ذوق اس کے خلاف شہادت دیتا ہے اور کچھ لوگوں نے صفات کا اثبات کیا ہے اور انہوں نے صفات کے سلسلہ میں یہ فیصلہ کیا ہے کہ وہ ذات پوری طرح بالکل غیر ہوتی ہیں لیکن یہ کفر محض ہے اور خالص شرک ہے بعض لوگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ جو شخ ذات کے اثبات کا قائل ہو اور صفات کا اثبات نہ کرتا ہو وہ جاہل اور بدعتی ہے اور جو شخص ایسی صفات کے اثبات کا قائل ہو جو ذات سے بالکلیہ (پوری طرح) مغائر ہوں تو ایسا شخص ثنوی ہے (یعنی

دوخداؤں کو ماننے والا ہے) کافر ہے اور اپنے کفر کے ساتھ ساتھ جاہل بھی ہے۔

یہ گفتگو مطلق نفی اور مطلق اثبات کے درمیان واسطہ کو ثابت کرتی ہے مطلقاً نفی کرنے والوں سے مراد حکما کو لیا ہے اور مطلقاً اثبات کرنے والوں سے مراد متکلمین کو لیا ہے حالانکہ آپ معلوم کر چکے ہیں کہ یہ مذہب (ان دونوں مذہبوں کے درمیان) واسطہ نہیں ہے۔ بلکہ یہ لوگ خود بھی نفی کرنے والوں میں داخل ہیں۔

صوفیوں کے قول کی تردید! ان لوگوں کی ان جسارتوں (دلیریوں) پر تعجب ہوتا ہے کہ محض اپنے کشف پر اعتماد کرتے ہوئے ایک ایسے اعتقاد کی جس پر اہل سنت وجماعت کا اجماع ہو غلط قرار دیتے ہیں اور اس اعتقاد کے رکھنے والوں کو کافر اور ثنوی (دوخداؤں کا قائل) کہہ دیتے ہیں۔اگرچہ انہوں نے کفر اور ثنویت (کے الفاظ) سے حقیقی کفر اور حقیقی ثنویت مراد نہ بھی لی ہو لیکن ایک درست اعتقاد کے بارے میں ایسا لفظ زبان سے نکال دینا بہت ہی ناپسندیدہ اور بڑی ہی خراب بات ہے کشف میں یہ لوگ کتنی غلطیاں کرتے ہیں لیکن اتنا نہیں سمجھتے کہ شائد کشف بھی اس قسم کا ہو اور وہ اعتقاد صحیح کے ساتھ ٹکرانے کی صلاحیت نہ رکھتا ہو۔

جداگانہ مقالہ! اس فقیر کا اس مسئلہ پر جدگانہ قول ہے اور وہ یہ ہے ------کہ حق سبحانہ وتعالی کی ذات ہی ان تمام امور میں جو صفات پر مترتب ہوتے ہیں کافی ہے اس معنی میں نہیں جو علماء معقول نے کہا کہ (چیزوں کا) انکشاف مثلاً (مخلوقات میں) صفت علم پر مترتب ہوتا ہے اور وہ (واجب تعالی میں) ذات ہی پر مترتب ہوتا ہے۔ بلکہ اس کے معنی میں کہ ذات حق عز سلطانہ اس انداز پر مکمل اور مستقل ہے کہ وہی سب کا کام کر لیتی ہے یعنی جو کام علم ودانش سے کرنا چاہے ذات حق عز سلطانہ بغیر صفت علم ہی کے وہ کام کر لیتی ہے ایسے ہی جو چیز صفت قدرت کی اثر اندازی سے ظہور پذیر ہوتی ہے ذات حق تعالیٰ اس چیز کے ظہور پذیر ہونے میں بغیر اس صفت کے بھی کافی ہے۔

ایک مثال! میں ایک مثال بیان کرتا ہوں جو جلدی سمجھ میں آنے والی ہے کہ جو پتھر خود اپنے طبعی تقاضے سے اوپر سے نیچے کی طرف آتا ہے اس کی ذات ہی علم، قدرت، اور ارادہ کا کام کر لیتی ہے بغیر اس کے کہ اس میں علم قدرت ارادہ کی صفتیں پائی جائیں۔ یعنی علم کا تقاضا یہ ہے کہ پتھر ثقل (بھاری) ہونے کی وجہ سے نیچے کی طرف متوجہ ہو اور اوپر کی طرف متوجہ نہ ہو ارادہ علم کے تابع ہے ارادے کا تقاضا یہ ہے کہ وہ نیچے کی جانب کو ترجیح دے اور حرکت، مقتضائے قدرت ہے پس پتھر کی اپنی طبیعت خود ان تینوں صفتوں کا کام بغیر ان صفات کا لحاظ کئے ہوئے کر لیتی ہے۔

لہذا واجب تعالیٰ میں وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی (اور اللہ تعالیٰ کے لئے تو بلند ترین مثال ہونا ثابت ہے) اس کی ذات بھی اسی طرح تمام صفات کا کام کر لیتی ہے اور ان امور کے مترتب ہونے میں اسے صفات کی کوئی احتیاج لاحق نہیں ہوتی۔ لیکن انکشاف تاثیر اور تخصیص مثلاً علم، قدرت اور ارادہ کی صفت پر مترتب ہوتے ہیں وہ دانا ہے علم کے ساتھ نہ کہ ذات کے ساتھ وہ موثر ہے قدت کے ساتھ مخصص ہے ارادہ کے ساتھ اگرچہ یہ بات ہے کہ جو کچھ ان صفات کے ساتھ کیا جانا چاہیے ذات حق تعالیٰ شانہ ہی اس میں کافی ہے لیکن یہ معانی صفات پر ہی مترتب ہیں ذات کو بغیر معانی کے پائے جانے کے عالم قادر اور صاحب ارادہ نہیں کہہ سکتے مثال کے طور پر اسی پتھر میں اگر علم قدرت اور ارادہ کی صفت کو وجود بخش دیں تو پتھر کو صاحب علم اور صاحب قدرت اور صاحب ارادہ کہہ سکتے ہیں لیکن ان زائد معانی کے وجود کے بغیر وہ ان صفات کے ساتھ متصف نہیں ہوتا ـ ـ ـ ـ ـ۔ اگرچہ وہ خود ہی ان صفات کا کام کر لیتا ہے۔ اور اس میں بھی شبہ نہیں کہ اس میں ان معانی کا وجود اس کے کمال کا باعث ہے۔

لہذا واجب تعالیٰ میں بھی اگرچہ ذات عز سلطانہ ہی ان تمام اشیاء میں جو صفات پر مترتب ہوتی ہیں کافی ہے لیکن خود ان معانی کاملہ کے ثبوت میں صفات درکار ہیں اور ذات حق

عز شانہ ان معانی کے پائے جانے سے صفات کمال کے ساتھ متصف ہو جاتی ہے۔

اعتراض! یہاں یہ اعتراض نہ کیا جائے کہ اس تقدیر پر تو ان صفات کے ساتھ جو ذات کی مغائر ہیں حق کی تکمیل پذیرائی لازم آتی ہے اور اس بات سے ذات میں نقص ہونا اور غیر ذات کے ساتھ مل کر اس کا تکمیل پذیر ہونا لازم آتا ہے اور یہ بات ممکن ہے۔

جواب! کیونکہ میں اس کے جواب میں کہوں گا کہ حق تعالیٰ کے لئے اپنے غیر سے صفت کمال کا استفادہ کرنا محال ہے اس کا بذات خود صفت کمال کے ساتھ متصف ہونا محال نہیں ہے۔ اگر چہ وہ صفت (ذات کا) غیر ہو اور متکلمین کے مذہب سے دوسری شق لازم آتی ہے پہلی شق لازم نہیں آتی ,جیسا کہ سید سند رحمۃ اللہ علیہ نے شرح مواقف میں تحقیق کے ساتھ بیان فرد یا ہے۔

(16) معرفت

ذات وصفات کا بیچوں ہونا! حق تعالیٰ اپنی ذات اور صفات میں بالکل یگانہ ہے اس کی ذات اور صفات مخلوقات کی ذات اور صفات سے قطعاً مختلف ہیں اور کسی طرح بھی ان سے کوئی مناسبت نہیں رکھتی لہذا حق سبحانہ مثل سے یعنی مماثل موافق سے بھی منزہ و پاک ہے اور ند یعنی مماثل مخالف سے بھی حق تعالیٰ شانہ کے معبود ہونے صانع ہونے اور واجب ہونے میں کوئی اس کا شریک نہیں ہے۔

اور بعض صوفیہ جو وحدت الوجود کے قائل ہیں تو وہ موجود ہونے میں بھی شریک کی نفی کرتے ہیں اور حق تعالیٰ کے سوا کسی چیز کو موجود نہیں مانتے جس چیز سے وہ اس سلسلہ میں استشہاد (دلیل) کرتے ہیں وہ کشف ہے اور یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ اس قول سے بہت سے اصول دین کا انہدام لازم آتا ہے اور بعض اصول دین کو (اس قول سے) تطبیق دینے میں انہوں نے تکلفات سے کام لیا ہے لیکن ان کی پوری پوری مطابقت میں کلام ہے بعض

دوسرے اصول ایسے بھی ہیں جو بالکل ہی تطبیق کے قابل ہی نہیں ہیں۔ مثلاً واجب تعالیٰ جل وعلا کی صفات کی نفی کا مبحث۔

(17) معرفت

مکان وزمان اوران کے لوازم سے تنزیہ! حق تعالیٰ سبحانہ کسی جہت میں نہیں ہے وہ مکانی اور زمانی نہیں ہے حق تعالیٰ کا یہ ارشاد اَلرَّحمٰنُ عَلَی العَرشِ استَویٰ (خدائے مہربان عرش پر متمکن ہوگیا) اگرچہ ــــــــ بظاہر ثبوت جہت اور ثبوت مکان کا وہم پیدا کرنے والا ہے لیکن درحقیقت اس سے جہت اور مکان کی نفی ہو جاتی ہے کیونکہ آیۂ کریمہ سے جہت ومکان کا اثبات ایسے مقام (عرش) کے لئے کیا ہے جہاں نہ کوئی جہت ہے نہ کوئی مکان یہ تو خدائے تعالیٰ کی بے جہتی اور بے مکانی ہی سے کنایہ ہے اسے اچھی طرح سمجھ لیجیے اور وہ جسمانی بھی نہیں ہے جوہر اور عرض بھی نہیں ہے وہ کسی قسم کے اشارہ کے قابل بھی نہیں (یعنی اس کی طرف سے بھی اشارہ نہیں کیا جاسکتا) حرکت اور تبدیلی کے تصورات بھی اس پر درست نہیں بیٹھتے اسکی ذات قدیم کے ساتھ حوادث کا قیام بھی جائز نہیں ہے۔ اعراض محسوسہ اور اعرض معقولہ میں سے وہ کسی عرض کے ساتھ متصف نہیں ہے نہ وہ عالم میں داخل ہے اور نہ ہی عالم سے خارج ہے نہ وہ عالم (کائنات) کے ساتھ متصل ہے اور نہ عالم سے منفصل (جدا) ہے عالم (کائنات) کے ساتھ اس کی معیت علمی ہے، ذاتی نہیں ہے اس کا عالم کو محیط ہونا علم ہی کے ساتھ ہے ذات کے ساتھ نہیں ہے وہ کسی چیز میں حلول نہیں کرتا وہ کسی چیز کے ساتھ (مل کر) متحد (یک جان) نہیں ہوتا۔

سوال! اگر کوئی شخص دریافت کرے کہ بعض صوفیہ جو ذاتی معیت اور احاطہ کے قائل ہیں اس سے ان کی مراد کیا ہے؟

جواب! میں اس کے جواب میں کہتا ہوں کہ ان حضرات نے ذات سے مراد اس

کا تعین لیا ہے جس کو وحدت کہتے ہیں کیونکہ وہ حضرات اس مرتبہ میں تعین کو ذات حق عز سلطانہ پر زائد ہونے کا اعتبار نہیں کرتے لہذا اس مرتبہ کے ظہور کو تجلی ذاتی کہتے ہیں اور اس کی اسی سرایت کو وہ ذاتی معیت اور احاطہ کہہ دیتے ہیں اور حضرات متکلمین، خدا تعالیٰ ان کی کوششوں کو مشکور فرمائے ذات سے ذات محض مراد لیتے ہیں جو کہ تمام تعینات سے بالاتر ہے اور خواہ کوئی تعین بھی ہوا سے وہ ذات حق عز شانہ پر زائد سمجھتے ہیں اور اس میں ذرا بھی شبہ نہیں کہ اس ذات کو عالم کے ساتھ کوئی نسبت ہی نہیں ہے کیا احاطہ کیا معیت کیا اتصال اور کیا انفصال (یعنی نہ نسبت احاطہ ہے نہ نسبت معیت اور نہ نسبت اتصال نہ انفصال)۔ حق تعالیٰ شانہ کی ذات کسی طور پر بھی علم میں نہیں آسکتی وہ مطلقاً ہر لحاظ سے نامعلوم الکیفیت ہے اسی طرح عالم کے ساتھ اس کی نسبت بھی ہر لحاظ سے نامعلوم الکیفیت ہے اسے متصل، منفصل محیط اور ساری (سرایت کرنے والا) کہنا محض جہالت کی وجہ سے ہے۔ متکلمین اور دوسرے بزرگ اس فیصلہ سے متفق ہیں لیکن متکلمین کی نظر جو حضرت محمد مصطفیٰ علیہ من الصلوات اتمہا و من التحیات اکملہا کی پیروی کے نور کا سرمہ لگائے ہوئے صوفیائے کرام کی نظر کے مقابلے میں جو کہ احاطہ ذاتی کے قائل ہیں بہت ہی باریک میں واقع ہوئی ہے اور ان لوگوں کے ادراک کا سرچشمہ کشف ہے ہر شخص نے اپنے اپنے ادراک کے انداز کے مطابق ہی فیصلہ دیا ہے وہ تمام اختلافات جو متکلمین اور بعض متاخرین صوفیہ کے درمیان واقع ہوئے ہیں اسی طرح کے ہیں ان میں حق متکلمین کے ساتھ ہے اور صوفیہ کی نظر نے کوتاہی کی ہے اور متکلمین کی بات حقیقت کو یہ لوگ دریافت ہی نہیں کر سکے۔

(18) معرفت

معلوم کے ساتھ علم حق کا تعلق! حق سبحانہ وتعالیٰ ایک ایسے علم کے ساتھ جو اس کی ذات پر زائد ہے تمام معلومات کا عالم ہے خواہ وہ معلوم واجب ہو یا ممکن اور علم ایک حقیقت صفت ہے جو ذات پر زائد ہے اور اس کا تعلق معلوم کے ساتھ ہوتا ہے جس طرح کہ یہ بات

معلوم نہیں کہ واجب تعالیٰ میں اس کی صفت کی کیا کیفیت ہے جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے اسی طرح یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ معلومات کے ساتھ اس کا کیا تعلق ہے صرف اتنا ہی ادارک میں آتا ہے کہ یہ تعلق، معلوم کے انکشاف کا سبب ہوا کرتا ہے، بہت سے لوگ چونکہ اس حقیقت پر مطلع نہیں ہوسکے اور انہوں نے غائب کو حاضر پر قیاس کرلیا ہے اس لئے وہ اضطراب اور حیرت میں گرفتار ہوگئے۔

(19) معرفت

قدرت اور ارادہ! قدرت اور ارادہ حق تعالیٰ شانہ کی ذات پر زائد صفات ہیں۔قدرت سے مراد یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے لئے عالم کی ایجاد (پیدا کرنا) بھی درست ہے اور اس ایجاد عالم (دنیا کو پیدا کرنے) کو چھوڑ دینا (پیدا نہ کرنا) بھی درست ہے۔اس ایجاد اور ترک ایجاد میں سے کوئی چیز بھی حق تعالیٰ کی ذات پر لازم نہیں ہے۔تمام اہل مذاہب اس بات پر متفق ہیں۔

لیکن فلاسفہ کہتے ہیں کہ عالم (کائنات) کو اس موجودہ نظام پر ایجاد (پیدا) کرنا جس پر اب وہ واقع ہے، حق تعالیٰ سبحانہ کی ذات کے لوازم میں سے ہے۔اس طرح انہوں نے قدرت کے ان معنی کا جو اوپر بیان ہو چکا ہے انکار کیا۔وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ مذکورہ معنی کے لحاظ سے قدرت ایک نقص ہے اور انہوں نے یہ گمان کرتے ہوئے کہ ایجاب (یعنی خدا کیلئے عالم کی ایجاد واجب اور ضروری ہونا) ہی کمال ہے، ایجاب کو ثابت کردیا ہے، قدرت کے اس معنی میں قائل ہیں کہ ''اگر وہ چاہے تو کرے اور اگر نہ چاہے تو نہ کرے'' اور اس مضمون میں وہ اہل اسلام کے ساتھ متفق ہیں لیکن پہلے جملہ شرطیہ (اگر چاہے تو کرے) کے مقدم یعنی شرط (اگر چاہے) کو تو واجب الصدق سمجھتے ہیں (یعنی یہ سمجھتے ہیں کہ اس کا صادق آنا ضروری ہے) اور دوسرے جملہ شرطیہ (اگر نہ چاہے تو نہ کرے) کے مقدم یعنی شرط (اگر نہ چاہے) کو ممتنع الصدق جانتے ہیں (یعنی یہ سمجھتے ہیں کہ اس کا صادق آنا محال ہے) اور دونوں شرطیہ

جملوں کو وہ واجب تعالیٰ کے حق میں صادق کہتے ہیں۔ نیز یہ فلاسفہ ارادہ کو بھی علم پر زائد نہیں سمجھتے وہ کہتے ہیں کہ ارادہ کامل ترین نظام کے طریق پر خود علم ہی کا نام ہے اسے وہ (اپنی اصطلاح میں) عنایت کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔

اور بعض متاخرین صوفیہ بھی قدرت کے اس معنی میں فلاسفہ کے ساتھ متفق ہیں۔ اور وہ بھی دوسرے جملہ شرطیہ (اگر نہ چاہے تو نہ کرے) کے مقدم (اگر نہ چاہے) کو ممتنع الصدق کہتے ہیں (یعنی یہ کہتے ہیں کہ اس کا صادق آنا محال ہے) اور اپنے مذہب کو فلاسفہ کے مذہب کی طرح الگ کرتے ہیں کہ فلاسفہ ارادہ کے قائل نہیں ہیں وہ اسے نفس علم ہی سمجھتے ہیں اور یہ لوگ (صوفیہ) باوجودیکہ قدرت کو مذکورہ معنی میں لیتے ہیں لیکن اس کے ساتھ ہی ارادہ کا علم پر زائد ہونا بھی ثابت کرتے ہیں۔ اور اگر اس طرح وہ حق سبحانہ وتعالیٰ کو صاحب ارادہ تسلیم کرتے ہیں۔ اور اسے موجب نہیں کہتے (جس پر عالم کی ایجاد واجب ہو) برخلاف حکماء کے کہ وہ ایجاب کے قائل ہیں اور ارادہ کی نفی کرتے ہیں۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ! اس فقیر کو اس مقام پر ایک شبہ ہے اور وہ یہ ہے کہ دو ایسی چیزوں میں جن پر قدرت حاصل ہو کسی ایک کو وجود یا عدم کے ساتھ خاص کر لینے کا نام ارادہ ہے۔ اور جب جزو ثانی ممتنع الصدق ہے اور جزو اول واجب الصدق تو پھر ارادہ کا اثبات کس مقصد کے لئے ہوگا۔ کیونکہ تخصیص اور ترجیح جو کہ ارادہ کا ماحصل ہے دو برابر کی چیزیں ہی میں ہو سکتی ہے۔ لہذا جہاں یہ برابری ہی نہیں وہاں ترجیح بھی نہیں ہے پس وہاں ارادہ بھی نہیں ہے اس لئے جب حکماء نے طرفین کی برابری ہی سے انکار کر دیا تو انہوں نے ارادہ کو بھی ثابت نہیں کیا اور انہوں نے ارادہ کو لاحاصل اور بے فائدہ سمجھا ہے۔ اس مسئلے میں حکماء حق پر ہیں۔ لہذا مذکورہ صوفیائے کرام جو عالم کے وجود اور عدم (دونوں پہلوؤں) کے برابر نہ ہونے کے باوجود ارادہ کا اثبات کرتے ہیں اور اس اثبات کے ذریعے حکماء سے الگ ہو جاتے ہیں اور اتنی سی بات کی وجہ سے وہ حق سبحانہ کو صاحب ارادہ اور مختار کہتے ہیں تو اس فرق کے سلسلہ میں ان

کی گفتگو کا حاصل (نتیجہ) ظاہر نہیں ہے ۔ان کا مذہب واجب تعالیٰ کے اختیار کی نفی کے بارے میں بعینہ وہی ہے جو حکماء کا مذہب ہے اور اس کے ارادہ کو ثابت کرنا محض زبردستی کی بات اور صرف منہ زوری ہی ہے اور اللہ تعالیٰ حق بات ثابت کرتا اور وہی صحیح راہ کی طرف رہنمائی فرماتا ہے۔

سوال !اگر کوئی شخص کہے کہ مذکورہ صوفیائے کرام عالم کے وجود کو حق تعالیٰ سبحانہ کی ذات پر لازم نہیں سمجھتے بلکہ وہ تو عالم کا صدور (ظہور) واجب تعالیٰ سے ارادہ ہی کے ساتھ کہتے ہیں

جواب !اس کے جواب میں ، میں کہتا ہوں کہ جب دوسرے جملہ شرطیہ کا مقدم یعنی وجود عالم کا ارادہ نہ کرنا ممتنع (محال) ہوتا ہے اور وجود عالم کا ارادہ کرنا واجب قرار پا گیا تو ارادہ کے لئے جو کہ دو برابر کی جہتوں میں سے اک جہت کو ترجیح دینے کا نام ہے ,وجود عالم میں کوئی دخل ہی باقی نہیں رہا سوائے اس کے اس پر (خواہ مخواہ) ارادہ کے لفظ کا اطلاق کر دیا گیا ہے اور اتنے ارادہ کے تو حکماء بھی قائل ہیں لہذا اس قسم کے ارادہ کا اثبات ایجاب کے دفع کرنے میں کوئی فائدہ نہیں دیتا اور وجود عدم کی دونوں جہتوں کے برابر نہ ہونے کی وجہ سے حق سبحانہ وتعالیٰ پر ایجاب لازم آتا ہے۔جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے۔

(20) معرفت

شیون وصفات میں فرق! شیونات الٰہی حق سبحانہ وتعالیٰ کی ذات فرع ہیں ۔اور حق سبحانہ وتعالیٰ کی صفات ان شیونات پر ہی متفرع ہیں اور اسماء (الٰہی) جیسے خالق اور رازق (وغیرہ) وہ صفات پر متفرع ہیں اور افعال ,ان اسماء پر متفرع ہیں اور تمام موجودات ,افعال کے نتائج ہیں اور افعال پر متفرع ہیں ۔ واَللّٰهُ سُبحَانَهٗ وَتَعَالیٰ اَعلَمُ(اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے)لہذا معلوم ہو گیا کہ شیون اور چیز ہیں اور صفات اور چیز ۔اور شیون خارج میں عین ذات

ہیں اور صفات خارج میں ذات پر زائد ہیں۔

جو لوگ اس فرق پر مطلع نہیں ہو سکے وہ یہ خیال کر بیٹھے کہ شیون ہی صفات ہوتی ہیں ۔چنانچہ انہوں نے یہ فیصلہ بھی کر دیا کہ جس طرح شیون خارج میں عین ذات ہوتی ہیں اسی طرح صفات بھی ذات کے ساتھ اس کا عین ہوتی ہیں۔ چنانچہ ان پر صفات کا انکار لازم آ گیا اور جس مسئلہ پر اہل حق کا اجماع تھا کہ صفات کا وجود خارج میں ذات پر زائد ہوتا ہے اس کا انکار بھی لازم آ گیا۔ اور اللہ تعالیٰ ہی حق بات کو ثابت کرتا ہے اور وہی صحیح راستہ کی رہنمائی فرماتا ہے۔

(21) معرفت

ذات وصفات حق میں مماثلت کی نفی! لَیسَ کَمِثلِہ شَیٌ وَھُوَ السَّمِیعُ البَصِیر

(اس کی طرح کی سی کوئی چیز بھی نہیں ہے اور وہ سننے والا دیکھنے والا ہے) حق سبحانہ وتعالیٰ نے بلیغ ترین انداز پر اپنی ذات سے مماثلت کی نفی فرمادی ہے کیونکہ اس آیت میں اپنے مثل مثل (یعنی مثل جیسی چیز) کی نفی فرمائی گئی ہے حالانکہ مقصود اپنے مثل کی نفی کرنا تھا ۔مطلب یہ ہے کہ جب اس کے مثل کا بھی مثل نہیں ہو سکتا تو اسکا مثل تو بطریق اولی نہیں ہوگا ۔لہذا کنایہ کے طور اصل مثل کی نفی ہوگئی۔ کیونکہ یہ (کنایہ) صریح کے مقابلے میں بلیغ ترین ہے۔ جیسا کہ علمائے بیان نے اس کو ثابت کیا ہے۔ اور اس کے متصل ہی وَھُوَ السَّمِیعُ البَصِیرُ فرمایا ہے جس سے مقصود صفاتی مماثلت کی بھی نفی کر دینا ہے جیسا کہ پہلے حصے (لَیسَ کَمِثلِہ شَیٌ) سے مماثلت کی ذاتی نفی کی گئی ہے۔

اس کی توضیح یہ ہے کہ حق تعالیٰ سبحانہ ہی سمیع اور بصیر ہے۔ کسی دوسرے کو سمع اور بصر حاصل نہیں ہے یہی حال باقی صفات یعنی حیات، علم، قدرت، ارادہ اور کلام وغیرہ کا ہے۔ پس مخلوقات میں صفات کی صورت پائی جاتی ہے، ان کی حقیقت نہیں پائی جاتی کیونکہ مثال کے طور پر ایک علم ایک صفت ہے، جس کی وجہ سے (اشیاء کا) انکشاف حاصل ہو جاتا ہے۔ اور قدرت

بھی ایک صفت ہے کہ اس صفت کی وجہ سے افعال اور آثار صادر ہوتے ہیں۔ اور مخلوقات میں یہ صفت نہیں پائی جاتی بلکہ حق سبحانہ وتعالیٰ اپنے کمال قدرت سے ان مخلوقات میں انکشاف کو پیدا کر دیتا ہے بغیر اس کے انکشاف کا اصل سرچشمہ جو صفت علم ہے خود اس کے اندر موجود ہے اور اسی طرح وہی افعال کو بھی ان کے اندر پیدا کر دیتا ہے بغیر اس کے کہ قدرت خود ان کے اندر ثابت ہو۔ سننے اور دیکھنے کو بھی اسی پر قیاس کر لیجیے۔ یعنی خدا ہی مخلوق کے اندر سننے اور دیکھنے کو پیدا کرتا ہے بغیر اس کے کہ خود ان کے اندر سننے اور دیکھنے کی قوتیں موجود ہوں۔ اور اسی طرح حس اور حرکت ارادی وغیرہ کی قسم کے آثار حیات بھی ان میں ظاہر ہو جاتے ہیں بغیر اس کے کہ وہ خود حیات رکھتے ہوں۔ وہی مخلوقات میں کلام پیدا کرتا ہے اور بغیر اس کے کہ قوتِ تکلم پیدا کرے مختصر یہ ہے کہ صفات کے آثار جو حق سبحانہ وتعالیٰ کے پیدا کرنے کی وجہ سے ان میں ظاہر ہو گئے ہیں محض ان آثار کے پائے جانے کی وجہ سے ان پر صفات کا اطلاق کر دیا جاتا ہے۔ بغیر اس کے کہ ان صفات کی حقیقت ان کے اندر محقق ہو ورنہ وہ تو چند بے حس وحرکت جمادات کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں ہیں۔ آیت مبارکہ اِنَّکَ مَیِّتٌ وَاِنَّھُم مَیِّتُونَ (بے شک آپ کو بھی مرنا ہے اور وہ بھی مر جائیں گے)۔۔۔۔۔۔اسی بات کی تصدیق کرتی ہے۔

ایک مثال! یہ بحث ایک مثال سے بالکل واضح ہو جاتا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ کوئی شعبدہ باز لکڑی یا کاغذ کی کوئی تصویر (مورتی) بناتا ہے خود پس پردہ بیٹھ کر اس تصویر کو حرکت دیتا ہے اور عجیب وغریب حرکات اس سے ظاہر کرتا ہے۔ سادہ لوح لوگ سمجھتے ہیں کہ وہ تصویر اپنی قدرت اور اختیار سے حرکت کر رہی ہے۔ چنانچہ بظاہر حرکات کا اس سے صادر ہونا۔ اس بات کا وہم پیدا کر دیتا ہے کہ خود اس میں قدرت بھی موجود ہے اور ارادہ بھی۔ حالانکہ درحقیقت وہاں نہ قدرت ہوتی ہے اور نہ ارادہ ہوتا ہے۔ اسی طرح یہ بھی وہم ہو جاتا ہے کہ وہ زندگی بھی رکھتی ہے کیونکہ اس میں زندگی کے آثار بھی پائے جاتے ہیں۔ نیز یہ وہم بھی ہو جاتا ہے کہ وہ علم

بھی رکھتی ہے کیونکہ ارادہ تو علم ہی کے تابع ہے اور اگر بالفرض وہ شعبدہ باز اس میں بولنے اور بات کرنے کو بھی ایجاد کر دے تو لوگ کہنے لگیں گے کہ وہ باتیں بھی کرتی ہے اور اس کا وہی حال ہوگا جو سامری کے بنائے ہوئے بچھڑے کا تھا جو بغیر اس کے کہ کلام کرنے کی صفت اپنے اندر رکھتا ہو۔ اس نے آواز نکالی تھی لیکن ایسے لوگ جن کی چشم بصیرت دو بینی (ایک کو دو دیکھنے) کے پردہ سے چاک ہو چکی ہے دیکھ رہے ہوتے ہیں کہ یہ تصویر محض ایک بے جان چیز (جماد) ہے ان میں سے کوئی صفت بھی اس میں موجود نہیں ہے اور اس کا ایک بنانے والا ہے جو ان تمام حرکات و آثار کو اس میں ایجاد کر رہا ہے۔ لیکن اس کے باوجود وہ بھی ان افعال وحرکات کو اسی تصویر کی طرف منسوب کرتے ہیں اس کے بنانے والے کی طرف منسوب نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ تصویر حرکت کر رہی ہے یوں نہیں کہتے کہ بنانے والا حرکت کر رہا ہے بلکہ یوں کہتے ہیں کہ بنانے والا تو حرکت پیدا کر رہا ہے (مگر حرکت تصویر ہی کر رہی ہے)

اس کے بعد یہ کہنے کی گنجائش نہیں رہتی کہ (خدائے تعالیٰ ہی) لذت حاصل کرتا ہے اور خدائے تعالیٰ ہے الم محسوس کرتا ہے (العیاذ باللہ) جیسا کہ بعض صوفیہ نے کہہ دیا ہے اور انہوں نے لذت اور الم کو بھی حق سبحانہ کی طرف ہی منسوب کر دیا ہے۔ حاشا وکلا (یعنی ایسا ہرگز بھی نہیں ہے) حق تعالیٰ تو لذت والم کو پیدا کرنے والا ہے۔ وہ خود لذت حاصل کرنے والا اور الم محسوس کرنے والا نہیں ہے۔ لہٰذا (ظاہر ہے کہ) جب صفات کی حقیقت مخلوقات سے منتفی ہوگئی تو ذات کی حقیقت بھی ان سے منتفی ہوگئی۔ کیونکہ ذات تو اس کو کہتے ہیں جو خود اپنے نفس کے ساتھ قائم ہو اور صفات اس کو کہتے ہیں کہ ذات کے ساتھ قائم ہوں ذات ہی ان صفات کے آثار کا سرچشمہ ہوا کرتی ہے۔ اور مذکورہ بالا تحقیق سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ صفات اور ذات کے واسطہ کے بغیر ان صفات کے آثار کا خالق ۔۔۔۔۔۔۔ حق تعالیٰ شانہ ہی ہے لہٰذا ذات کی حقیقت اس سے زیادہ نہیں ہے کہ وہ ان آثار کی ایجاد اور تخلیق کا محل ہوتی ہے اور بس اس بنا پر ذات کی حقیقت بھی ان سے منتفی ہوگئی۔ اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰی صُورَتِہٖ۔ (الحدیث) یقیناً خدائے تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا فرمایا ہے) سے اس

مضمون کی طرف اشارہ ہے یعنی خدائے تعالیٰ نے آدم کو اپنی ذات وصفات کی صورت پر پیدا فرمایا ہے لہذا ثابت ہوگیا ہے کہ نہ خدائے تعالیٰ کی ذات کا کوئی مثل ہے اور نہ اس کی صفات کا۔ اس لئے حق تعالیٰ کا ارشاد وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ تنزیہ کا پورا کرنے والا اور نفی مماثلت کی تکمیل کرنے والا ہے یہ بات نہیں ہے کہ تنزیہ کے منافی ہو اور تشبیہ کو ثابت کرنے والا ہو یعنی آیت کے یہ معنی نہیں ہیں کہ جو سمع اور بصر (سننے اور دیکھنے کی قوتیں) مخلوقات کے لئے ثابت ہیں اسی طرح خدائے تعالیٰ کی سمع اور بصر ہوں۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ مخلوقات کو نہ سمع کی قوت حاصل ہے نہ بصر کی بلکہ ان کا سننا اور دیکھنا محض اس وجہ سے ہے کہ حق تعالیٰ سبحانہ ان کو مخلوقات کی صفتِ سمع اور بصر کے کسی واسطہ کے بغیر مخلوقات میں خود ہی پیدا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے صرف سمع اور بصر ہی کا ذکر فرمایا ہے حالانکہ تمام صفات کی صورت یہی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ان دونوں کی نفی کر دینے سے جب کہ یہ دونوں صفتیں بہت ہی ظاہر ہیں اور مخلوقات میں ان کا ثبوت واضح طور پر نظر آتا ہے باقی صفات کی خود بخود نفی ہو جاتی ہے جیسا کہ ظاہر ہے اس سے ثابت ہوگیا کہ نہ خدا کی ذات کو پہچانا جا سکتا ہے نہ اس کی صفات کو آدمی جس طرح حق تعالیٰ کی ذات کی معرفت میں عاجز ہے اسی طرح اس کی صفات کی معرفت میں بھی عاجز ہے خاک کو رب الارباب سے کیا نسبت (چہ نسبت خاک را با عالم پاک)

(22) معرفت

ولایت خاصہ محمدیہ! جاننا چاہیے کہ خال ولایت محمدیہ (آپ ﷺ پر درود وسلام ہوں) مجذوبوں سالکوں کے ساتھ مخصوص ہے جن کو "مرادین" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور مریدین کو ان کی ذاتی استعدادوں کے مطابق ولایت میں کوئی حصہ نہیں ملتا مریدین سے ہماری مراد وہ حضرات ہیں جن کا سلوک ان کے جذب پر مقدم ہو بجز اس کے کہ مراد محبوب کسی مرید محب کی خصوصی تربیت فرمائے اور اس میں تصرف سے کام لے اور اسے اپنے کمال تصرف سے ایسا جذب عطا کر دے جو خود اس مراد کے جذب کے مثل ہو جیسا کہ امیر المومنین

علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کا معاملہ تھا کیونکہ بے شک وہ بھی سالک مجذوب تھے لیکن وہ آنحضرت ﷺ کی تربیت اور ان میں آپ ﷺ کے کمال تصرف کی وجہ سے نیز اس وجہ سے کہ آپ ﷺ نے ان کو جذب فرمالیا تھا۔ ولایت خاصہ کے درجہ تک پہنچ گئے تھے برخلاف باقی خلفائے ثلاثہ کے جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے پہلے ہوئے ہیں کیونکہ ان کا جذب ان کے سلوک پر مقدم ہے بعینہ اسی طرح جیسا کہ حضرت رسالت مآب ﷺ کا حال ہے کیونکہ آپ کا جذب بھی سلوک سے مقدم ہے (ﷺ) اور اس سے یہ وہم نہ کیا جائے کہ ہر مجذوب سالک اس ولایت خاصہ تک پہنچ سکتا ہے ایسا ہرگز نہیں ہے بلکہ اگر ان ہزار ہا مجذوب سالکین میں سے ایک آدمی بھی کئی صدیوں کے بعد ایسا ہو جائے تو اسے غنیمت سمجھنا چاہیے یہ تو اللہ تعالیٰ ہی کا فضل وانعام ہے وہ جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے اور اللہ بڑے ہی فضل والا ہے اور حق تعالیٰ ہمارے سردار محمد ﷺ اور آپ کی آل پر رحمتیں اور سلامتیاں نازل فرمائے۔

(23) معرفت

سالک مجذوب اور مجذوب سالک کے مراتب میں فرق! سالک مجذوب کو معرفت میں مجذوب سالک پر فضیلت ہوتی ہے۔ اور محبت کاملہ اس کے برعکس ہے کیونکہ حق تعالیٰ سبحانہ مجذوب سالک کی تربیت اس کے ابتدائی حالت سے آخر تک اپنی خصوصی محبت سے فرماتا ہے اور اس کی اپنی عنایت کاملہ سے اپنی بارگاہ کی طرف جذب فرمالیتا ہے۔

یہاں معرفت سے ہماری مراد وہ معرفت ہے جس کا تعلق تجلیات افعالیہ یعنی اشیاء کونیہ کی معرفت اور اللہ تعالیٰ کی صفات اضافیہ سے ہے لیکن وہ معرفت جس کا تعلق حق سبحانہ وتعالیٰ کی ذات سے ہے جس کو جہل سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اس طرح وہ معرفعت جس کا تعلق صفات سلبیہ تنزیہ سے ہے جو کہ محض حیرت پر مشتمل ہوتی ہے اسی طرح وہ معرفت جس کا تعلق صفات ذاتیہ موجودہ سے ہے اور وہ معرفت جس کا تعلق شئون ذاتیہ اعتباریہ سے ہے تو مجذوب سالک ان چاروں معرفتوں کا زیادہ مستحق ہوتا ہے اور وہ ان کی تفصیلات کے زیادہ مناسب ہوتا ہے۔

رہ گئیں وہ معرفتیں جن کا تعلق مقامات عشرہ یعنی زہد، توکل، صبر اور رضا وغیرہ سے ہوتا ہے تو سالک مجذوب ہی ان معرفتوں اور ان کی تفصیلات کے قابل ہوا کرتا ہے کیونکہ وہ تفصیل کے ساتھ ان مقامات کو طے کرتا ہے اور درجہ بدرجہ پرسے گذرتا ہے وہ ہر مقام کی باریکیوں کو تفصیلی طور پر پہچانتا ہے جنہیں مجذوب سالک نہیں پہچانتا کیونکہ اس کے حق میں یہ تمام مقامات سمیٹ دیئے جاتے ہیں اور ہر مقام کا جوہر اور خلاصہ اسے حاصل ہو جاتا ہے جو سالک مجذوب کو حاصل نہیں ہوتا لہذا سالک مجذوب ان مقامات میں ظاہر اور صورت کے اعتبار سے زیادہ کامل ہوتا ہے اور مجذوب سالک ان مقامات میں جوہر اور خلاصہ کے اعتبار سے زیادہ کامل ہوتا ہے۔

اس لئے عوام نے جو صرف صورتوں کی طرف دیکھتے ہیں یہ سمجھ لیا ہے کہ مقام زہد، توکل، صبر اور رضا وغیرہ اول (یعنی سالک مجذوب) بہ نسبت دوسرے (یعنی مجذوب سالک) کے زیادہ کامل ہوتا ہے وہ یہ بات نہیں جانتے کہ دوسرے گروہ یعنی مجذوب سالک میں رغبت کا پایا جانا اس کے کمال زہد کے منافی نہیں ہوتا۔ اسی طرح اسباب کے ساتھ تعلق کمال توکل کے منافی نہیں ہوتا۔ اور اس میں ناپسندیدگی کا پایا جانا رضا کے منافی نہیں ہوتا کیونکہ اُس کی یہ رغبت بھی اللہ تعالیٰ کی وجہ سے ہوتی ہے اس کا اسباب کے ساتھ تعلق بھی اللہ سبحانہ کی وجہ سے ہوا ہے اسی طرح اس میں ناپسندیدگی کا پایا جانا بھی اللہ عزوجل ہی کی وجہ سے ـــــ ہوتا ہے۔ باوجودیکہ اس میں یہ تمام اوصاف خالص اللہ سبحانہ وتعالیٰ کیلئے ہی ہوتے ہیں۔ وہ دنیا کی طرف رغبت کرتا ہے تو صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی وجہ سے کرتا ہے کسی غیر کی وجہ سے نہیں کرتا۔ اگر اس کی رغبت اپنے نفس کے لئے ہو تو چونکہ اس کا نفس بھی اس کے پروردگار کا فرماں بردار ہو چکا ہے لہذا یہ رغبت بھی درحقیقت اپنے پروردگار عزوجل ہی کے لئے ہوگی۔

(24) معرفت

صورت ایمان اور حقیقت ایمان ! لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے ذکر سے مقصود باطل

معبودوں کی نفی کرنا ہے خواہ وہ آفاقی ہوں اور خواہ انفسی۔ آفاقی معبودوں سے مراد کافروں اور فاجروں کے باطل معبود ہیں مثلاً۔ لات اوعزیٰ اور معبودان انفسی سے مراد نفسانی خواہشات ہیں جیسا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے اَفَرَاَیتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰھَه ھَوَاہُ (تو کیا آپ نے ان لوگوں کو دیکھا جنہوں نے اپنے خواہشات ہی کو اپنا خدا بنالیا ہے) ایمان یعنی تصدیق قلبی جس کا ہمیں ظاہر شریعت کے مکلف بنادیا ہے۔ آفاقی معبودان باطل کی نفی کے لئے کافی ہے لیکن انفسی معبودان باطل کی نفی کے لئے نفس امارہ کا تزکیہ درکار ہے جو اہل اللہ کے راستے پر چلنے (سلوک) کا حاصل ہے ایمان حقیقی ان دونوں قسم کے معبودان باطل کی نفی سے وابستہ ہے لیکن ایمان کے متعلق شریعت کا حکم محض معبودان آفاقی کے ابطال ونفی سے بھی ثابت ہوجاتا ہے۔ مگر اس قسم کا ایمان ابطال پر ہی منحصر ہے۔۔۔ صورت ایمان کے تو زائل ہونے کا احتمال ہے لیکن حقیقت ایمان اس احتمال سے محفوظ ہے کیونکہ صورت ایمان میں اول تو نفس امارہ ہی اپنے انکار اور کفر سے باز نہیں رہتا (صورت ایمان میں) اس سے زیادہ کچھ حاصل نہیں ہوتا کہ نفس امارہ کی مخالفت کے باوجود قلب میں ایک گونہ تصدیق پیدا ہوجاتی ہے لیکن ایمان حقیقی میں خود نفس امارہ جو اپنی ذات کے اعتبار سے سرکش ہے مطیع وفرمانبردار ہوکر سرکشی سے باز آجاتا ہے اور شرف ایمان سے مشرف ہوجاتا ہے ان تکلیفات شرعیہ سے مقصود بھی نفس کو عاجز کرنا اور اسے خراب کرنا ہے کیونکہ قلب تو بذات خود احکام الٰہی جل شانہ کا مطیع وفرمانبردار ہی ہوتا ہے اگر قلب میں کسی قسم کی خباثت پیدا ہوتی ہے تو وہ نفس کی ہمسائیگی ہی کہ وجہ سے پیدا ہوتی ہے

تواضع زگردن فرازاں نکوست   گدا گر تواضع کند خوئے اوست

ترجمہ   بہت اچھی ہے عادت سربلندی میں تواضع کی، گدا مجبور ہے عادت سے اگر اس نے تواضع کی

لہذا تزکیہ نفس ضروری ٹھہرایا تا کہ ایمان کی حقیقت حاصل ہو سکے اور وہ زوال سے محفوظ ہوجائے تزکیہ نفس کا تعلق درجہ ولایت سے ہوتا ہے۔ جس سے مراد فنا اور بقا ہے جب تک

کوئی آدمی درجہ ولایت تک نہ پہنچ جائے اطمینان نفس ممکن نہیں ہے اور جب تک نفس اطمینان سے وابستہ نہ ہو جائے حقیقت ایمان کی بو بھی مشام جان (جان کے دماغ) تک نہیں پہنچ سکتی اور وہ زوال کے اندیشہ سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔ اَلَا اِنَّ اَولِیَاءَ اللّٰہِ لَا خَوفٌ عَلَیھِم وَلَا ھُم یَحزَنُونَ (یادرکھو جولوگ اللہ کے دوست ہیں نہ ڈر ہے ان پر اور نہ وہ غمگین ہوتے ہیں

از پئے ایں عیش وعشرت ساختن ۔۔۔ صد ہزاراں جاں بباید باختن

ترجمہ ۔۔۔ اس جہاں کے عیش وعشرت کیلئے ۔۔۔ چاہئیں تجھے ہزاروں جان کے

(25) معرفت

طریقت اور حقیقت سے شریعت کا تعلق! شریعت اور طریقت حقیقت سے مراد شریعت کی حقیقت ہے یہ نہیں کہ حقیقت شریعت سے الگ کوئی چیز ہے طریقت سے مراد حقیقت شریعت تک پہنچنے کا طریقہ شریعت اور حقیقت الگ کوئی چیز نہیں ہے۔ شریعت کی حقیقت صحیح طور پر حاصل ہونے سے پہلے صرف شریعت کی صورت کا حصول ہوتا ہے اور شریعت کی حقیقت کا حصول اطمینان نفس کے مقام میں ہوتا ہے جب آدمی کو درجہ ولایت تک رسائی حاصل ہوتی ہے۔ درجہ ولایت میں رسائی اور اطمینان نفس حاصل ہونے سے پہلے شریعت کی صورت ہوتی ہے جیسا کہ ایمان کے سلسلے میں بیان ہوا ہے کہ اطمیان نفس سے پہلے ایمان کی صورت ہوتی ہے اور اطمینان کے بعد ایمان کی حقیقت حاصل ہو جاتی ہے۔

(26) معرفت

مراتب فنا! فنا سے مراد حق تعالیٰ جل ذکرہ کی ہستی کے شہود کے غلبہ کی وجہ سے ماسوائے حق سبحانہ کو بھول جانا اس کی وضاحت یہ ہے کہ روح انسانی مع سر خفی اور اخفی کے ۔۔۔۔۔ بدن کے ساتھ تعلق پیدا ہونے سے اپنے صانع حقیقی جل سلطانہ کا یک گونہ علم رکھتی ہے اور بارگاہ قدس کے ساتھ ایک طرح کا تعلق پیدا ہونے سے اپنے صانع حقیقی سلطانہ کا ایک گونہ علم رکھتی

ہے اور بارگاہ قدس کے ساتھ اسے ایک طرح کی توجہ حاصل ہوتی ہے اور چونکہ اس کی فطرت میں ترقیات کی استعداد رکھدی گئی ہے اور ان استعدادوں کا ظہور بدن عنصری کے ساتھ تعلق ہونے پر منحصر تھا اس لئے لامحالہ اولا اسے تعشق فریفتگی اور محبت کی صفت عطا فرمائی گئی پھر اس کے بعد کے درجہ میں اس کی توجہ کو اس مادی جسم کی طرف پھیر دیا گیا اور ان دونوں (روح اور جسم) میں محبت کا ارتباط اور تعلق بدرجہ کمال پیدا کر دیا گیا چنانچہ روح نے اس تعلق کی بنا پر اپنے کمال لطافت کے باجود اپنے آپ کو محبوب ظلمانی (جسم) میں گم کر دیا اور اپنے وجود کو مع اس کے توابع (سر و خفی اور اخفی) کے اس ظلمانی محبوب یعنی جسم میں فنا کر دیا یہی وجہ ہے کہ بہت سے عقلمند لوگ اپنے آپ کو جسم کے علاوہ کچھ اور نہیں سمجھتے اور جسم کے علاوہ کسی اور بات کا اثبات نہیں کرتے۔

فنائے جسمی! اور حضرت حق سبحانہ نے جوارحم الراحمین (سب سے زیادہ رحمت کرنے والا) ہے اپنے کمال رحمت سے انبیاء علیہم السلام کی زبانی جو کہ تمام جہانوں کی رحمت میں صلوات اللہ تعالیٰ علیھم وتسلیماتہ علی جمیعھم عموما وعلی افضلھم وخاتمھم خصوصا (اب سب پر اللہ کی رحمتیں اور سلامتیاں نازل ہوں اور خصوصیت کے ساتھ ان میں سے افضل ترین اور ان کے خاتم پر) لوگوں کو اپنی بارگاہ قدس کی طرف بلایا اور اس تعلق ظلمانی سے منع فرمایا اللہ تعالیٰ سبحانہ کا ارشاد ہے قُلِ اللّٰهُ ثُمَّ ذَرْهُمْ (اے پیغمبر! کہہ دیجیے کہ (موسیٰ علیہ السلام پر کتاب) اللہ ہی نے اتاری تھی پھر آپ ان کو چھوڑ دیجیئے) جس کسی کو سعادت ازلی حاصل ہوگئی اس نے الٹے پیروں واپس ہو کر علم سفلی کی محبت کو الوداع کہا اور عالم بالا کی طرف متوجہ ہوگیا اور آہستہ آہستہ پرانی محبت نے غلبہ کیا اور نئی پیدا شدہ دوستی نے زوال کی راہ اختیار کی یہاں تک کہ اس محبوب ظلمانی (یعنی جسد عنصری) کے ساتھ مکمل نسیان میسر آ گیا اور اس محبت کا کوئی اثر باقی نہ رہا اس وقت فنائے جسدی حاصل ہوگئی اور دو قدم جس کا اس راہ (طریقت) میں اعتبار کیا گیا جیسا کہ کہا ہے خُطْوَتَانِ وَقَدْ وَصَلْتَ (دو قدم ہی تو

ہیں اور بس تم پہنچ گئے) ان دو قدموں میں سے اس نے ایک قدم کو انجام تک پہنچا دیا۔

فنائے روحی! اس کے بعد اگر محض فضل ایزدی جل سلطانہ کی بنا پر اس مقام سے ترقی حاصل ہو جائے تو آدمی خود روح کے وجود اور اس کے وجود کے توابع کو بھی بھولنا شروع کر دیتا ہے اور آناً فاناً یہ بھول بھی بڑھتی چلی جاتی ہے یہاں تک کہ آدمی اپنے آپ کو بالکلیہ بھلا دیتا ہے اور بجز بارگاہ واجب الوجود جل سلطانہ کے شہود کے اور کچھ باقی نہیں رہتا اس نسیان کو فنائے روحی سے تعبیر کرتے ہیں جو ان دو قدموں میں سے دوسرا قدم ہے اور روح کے عالم سفلی کی طرف نیچے اترنے کا مقصود فنا کی اسی دوسری قسم کا حاصل کرنا تھا اس کے بغیر یہ دولت میسر نہیں آ سکتی تھی۔

ایک دقیق راز! اور اس میں جو دقیق راز ہے وہ با کمال اہل اللہ پر مخفی نہیں ہے اور وہ راز یہ ہے کہ روح کے واسطے اپنے آپ کو بھول جانے کیلئے کسی غیر کے ساتھ شدید محبت اور کمال مودت حاصل ہونا ضروری ہے اور محبت کا غلبہ جیسا کہ حاضر کے حق میں ہوتا ہے اس کے مثل غائب کے حق میں نہیں ہوا کرتا لہذا اولاً تو روح نے حاضر میں کمال محبت کو حاصل کیا جو خود روح کو فنا کر دینے والا تھا پھر دوسرے درجہ میں اپنے آپ کو فنا کرنے کیلئے غیبت میں اسی محبت کا کام لیا۔ یہ وہ دقیق راز ہے جسے اکابرین عارفین کے علاوہ دوسرے لوگ نہیں جانتے۔

فنائے قلبی! رہ گیا قلب جسے حقیقت جامعہ سے تعبیر کیا جاتا تو وہ اسوقت روح ہی کے تابع ہوتا ہے لہذا جب وہ ترقی کر کے اپنے مقام سے روح کے مقام میں پہنچ گیا تو اسے بھی روح کی متابعت میں یہی نسیان حاصل ہو گیا۔ اور اس کے فنا کے ساتھ خود بھی فنا ہو گیا۔

فنائے نفس! رہ گیا نفس تو اس کا تزکیہ مقامِ قلب میں پہنچ جانے کے بعد ہوتا ہے اور یہ اس کے بعد پیش آتا ہے جب قلب ترقی کر کے خود مقام روح میں پہنچ جاتا ہے صاحب عوارف جو شیخ الشیوخ ہیں نسیان مذکورہ کو مادہ نفس میں ثابت نہیں کرتے وہ نفس کی کمال

پاکیزگی اسی میں بتاتے ہیں کہ نفس مقامِ قلب میں رسائی حاصل کرلے لیکن یہ حقیر کہتا ہے کہ نسیان مذکور مادہ نفس میں بھی حاصل ہوتا ہے لیکن نفس کی ترقی کر کے مقام قلب سے مقام روح میں پہنچ جانے کے بعد ہوتا ہے لہذا نفس کے لئے بھی فنا متحقق ہوتی ہے جیسی کی قلب کو ہوتی ہے یہ نفس ہی تو ہے جو حصولِ اطمینان کے بعد اپنے پروردگار کی طرف رجوع کرتا ہے اور مقام قلب سے مقلب قلب (دل کو پھیرنے والی یعنی خدا تعالیٰ) کے ساتھ تعلق استوار کر کے راضی ومرضی (پسندیدہ) بن جاتا ہے۔ حق سبحانہ وتعالیٰ نے اسی شان میں فرمایا ہے۔ **یَاَیَّتُهَا النَّفسُ المُطمَئِنَّةُ ارجِعِی اِلَی رَبِّک رَاضِیَةً مَّرضِیَّةً**۔ (اے نفس مطمئنہ (اب تو) اپنے رب کی طرف راضی اور پسندیدہ بن کر واپس آجا) البتہ جب تک وہ مقام قلب میں رہتا ہے۔ جس کی شیخ الشیوخ نے خبر دی ہے اور جس کا نام انہوں نے مقامِ مطمئنہ رکھا ہے اس وقت تک نسیان مذکورہ اس کے حق میں مفقود ہوتا ہے۔ بلکہ اس مقام میں تو اسے اطمینان کا نام بھی زیب نہیں دیتا۔ وہ تزکیہ یافتہ تو ہوگیا ہے لیکن ابھی تک اطمینان کے ساتھ اسے وابستگی حاصل نہیں ہوئی۔ مقام قلب وتغیر وتبدل کا مقام ہے اطمینان اس کی ضد ہے لہذا اس مقام سے نکل جانا اطمینان کی شرط ہے ہر آدمی کی فہم اس مقام تک نہیں پہنچی۔ **ذالِکَ فَضلُ اللہِ یُوتِیهِ مَن یَّشاءُ وَاللہُ ذُوالفَضلِ العَظِیم**۔ (تو یہ اللہ تعالیٰ کا فضل وانعام ہے وہ جسے چاہتا ہے دیتا ہے اور اللہ بڑے ہی فضل والا ہے۔)

معاملہ قلب! رہ گیا وہ معاملہ جو قالب (جسم) کے ساتھ ہے تو سوائے ان اعمال جوارح (اعضائے بدن کے اعمال) کے جن کو شریعت مصطفویہ علیه وعلی آله الصلواة والسلام نے بیان فرمادیا ہے۔ سب کچھ ولایت معلومہ کے دائرہ خارج اور جذب وسلوک کے دونوں طریقوں سے باہر کی بات ہے۔ کیونکہ اس کا معاملہ تصفیہ قلب اور تزکیہ نفس کے علاوہ ہے اکابر اولیاء اللہ میں سے قلیل ترین حضرات کے سوا کسی کو اس مقام کے علوم ومعارف کی کوئی اطلاع نہیں دی گئی۔ چونکہ کسی نے بھی اس سلسلہ میں تفصیل سے بات نہیں فرمائی

اور کلام ربانی (قرآن پاک) اور احادیث نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام میں اگرچہ ذکر آیا ہے لیکن محض اشارات ورموز میں آیا ہے لہذا یہ ضعیف بھی اس مبحث کے متعلق کوئی بات نہیں کرتا۔ اور ولایت معرفہ کے مرتبہ میں جو فنا کے مراتب ہوتے ہیں انہی کے بیان پر اکتفا کرتا ہے اگر اس کے بعد کبھی سامعین میں اس بات کو سمجھنے کی استعداد معلوم ہوئی تو اپنی معلومات اور سامعین کی فہم کے اندازہ کے مطابق اس سلسلہ میں لب کشائی کروں گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ اور حق سبحانہ وتعالیٰ ہی توفیق عطا فرمانے والا اور درست بات دل میں ڈالنے والا ہے۔

تنبیہ! جاننا چاہیے کہ یہ ضروری نہیں ہے کہ جسے فنائے روحی میسر ہو جائے اسے فنائے قلبی بھی نصیب ہو جاتی ہے اتنی بات ضرور ہے کہ قلب کو روح کی طرف جو اس کیلئے بمنزلہ باپ کے ہے ایک طرح کا میلان پیدا ہو جاتا ہے اور نفس سے جو قلب کے بمنزلہ ماں کے ہے روگردانی اور اعراض حاصل ہو جاتا ہے اگر اس کا میلان غلبہ کرے اور اسے پوری طرح سے باپ کی جانب کھینچ لے اور اس (روح) کے مقام میں اسے پہنچادے تو اس وقت وہ باپ کی صفت یعنی فنا کے ساتھ متصف ہو جاتا ہے نفس کا حال بھی اسی طرح کا ہے کہ فنائے روحی اور فنائے قلبی سے اس کی فنا لازم نہیں آتی مختصر یہ ہے کہ نفس کو اپنے لڑکے یعنی قلب کی طرف ایک قسم کا میلان اور کشش پیدا ہو جاتی ہے اگر یہ میلان غالب آجائے تو اسے لڑکے کے مرتبہ میں جو خود صالح باپ کے مقام میں پہنچ چکا ہے پہنچادے تو وہ لامحالہ لڑکے کی صفت کے ساتھ جو اپنے باپ کے خلق کے ساتھ متخلق (آراستہ) ہو چکا ہے متصف ہو جاتا ہے اور فنا کو حاصل کر لیتا ہے۔

فنائے سر وخفی واخفیٰ! نیز وہ تینوں مراتب جو روح سے اوپر ہیں ان کا بھی یہی حال ہے کہ روح کے فنا ہو جانے سے ان کی فنا لازم نہیں آتی۔ البتہ اگر روح کے ہبوط (نیچے اترنے) کے وقت ان تینوں مرتبوں نے بھی کلی طور پر یا جزوی طور پر روح کی موافقت میں اسی وقت ہبوط کیا ہو (نیچے اتر آئے ہوں) اور روح کی محبت کا غلبہ ان میں سرایت کر گیا ہو اپنی

ذاتوں کے نسیان کے مرتبہ تک انہیں پہنچا دیا ہو تو ہو سکتا ہے کہ واپس لوٹتے وقت ان تینوں کو بھی کلی طور پر یا جزوی طور پر حاصل ہو جائے اور روح کی طرح وہ سب بھی فانی ہو جائیں۔

علامت فنا قلب! واضح رہے کہ خطرات کا قلب سے بالکلیہ اٹھ جانا اس کے ماسوائے حق سبحانہ وتعالیٰ کو بھول جانے کی علامت ہے کیونکہ خود خطرہ قلبی سے مراد دل میں کسی چیز کا حاصل ہونا اور اس چیز کا خیال دل میں گذرنا ہے خواہ ابتداء یعنی خود بخود وہ خیال آیا ہو یا یا دکرنے سے آیا ہو اور یہ کسی چیز کا خیال دل میں آنا اور اس کے خیال کا دل میں گذرنا ہی علم ہے ۔کسی چیز کے خیال کا دل میں آنا جب بالکل منتفی (مٹ) ہو جائے یعنی اس حد تک کہ اگر اسے بہ تکلیف بھی لانا چاہیں تو نہ آئے اور اگر اسے یاد کرائیں تب بھی یاد نہ آئے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ علم بالکلیہ زائل ہو گیا یہ زوال علم وہی نسیان ہے جو فنا میں معتبر ہے۔

یہ ہے وہ مقامِ فنا کی وضاحت کا آخری بیان ۔مشائخ میں سے کسی نے بھی اس تفصیل کے ساتھ اس مقام میں گفتگو نہیں فرمائی اور حق سبحانہ وتعالیٰ کے سوا ہر چیز کو بھول جانے سے زیادہ فنا کے کوئی اور معنی نہیں بتائے اب بھی اس موضوع پر مزید گفتگو کی بڑی گنجائش ہے اگر توفیق خداوندی جل سلطانہ مدد فرمائے تو یہ فقیر اس سے بھی زیادہ تفصیل کے ساتھ گفتگو کرے گا کیونکہ یہ مقام طالبین کے غلطی میں مبتلا ہونے کا مقام ہے۔ **واللہ سبحانہ اعلم بالصواب۔**

(27) معرفت

واجب تعالیٰ کے ساتھ روح کا اشتباہ! کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ سالک کی نظر عالم ارواح پر پڑتی ہے اور اس وجہ سے کہ عالم ارواح کو مرتبہ وجوب کے ساتھ مناسبت ہوتی ہے اگرچہ یہ مناسبت محض صورت کے اعتبار سے ہی ہوتی ہے تو سالک اس عالم ہی کو حق سمجھتا ہے اور اس عالم کے مشاہدہ کو حق جل سلطانہ تصور کر لیتا ہے اور اس سے محظوظ اور لذت اندوز ہونے لگتا ہے اور چونکہ عالم ارواح کو عالم اجساد کے ساتھ بھی ایک طرح کا تعلق حاصل ہوتا

ہے لہذا اس عالم کے شہود کو اس عالم میں کثرت کے اندر وحدت شہود سمجھ لیتا ہے اور احاطہ ذاتیہ اور معیت ذاتیہ کا حکم لگانے لگتا ہے اور ان تخیلات کی وجہ سے ترقی اور مطلوب حقیقی تک پہنچنے کی راہ سالک پر بند ہو جاتی ہے اگر اس مرتبہ سے اسے آگے نہ بڑھائیں اور باطل سے حق تک نہ پہنچائیں تو افسوس صد افسوس ہے بعض مشائخ اس مقام میں تیس سال تک روح کو خدا سمجھ کر اس کی پرستش کرتے رہے ہیں اور جب (توفیق حق نے) انہیں اس مقام سے گذار دیا تو اس کی برائی کا انہیں علم نہ ہوا اس خدا کا شکر ہے کہ جس نے ہمیں اس کی رہنمائی فرمائی اگر خدائے تعالیٰ نے ہماری رہنمائی نہ فرمائی ہوتی تو ہم راہ نہیں پا سکتے یقیناً ہمارے پروردگار کے تمام رسول حق لیکر ہی آئے ہیں۔

(28) معرفت

وجود صفات سے بعض لوگوں کے انکار کی وجہ! بعض مشائخ نے جو واجب تعالیٰ جل شانہ کی صفات کے (الگ) وجود سے انکار کر دیا ہے اور انہوں نے صفات کو خارج میں عین ذات کہہ دیا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ حضرات تخلیاتِ صفاتیہ کے مرتبہ میں ہیں۔ صفات ان کے لئے ذات جل شانہ کے مشاہدہ کے آئینے بن گئی ہیں اور آئینہ کی صورت یہ ہوتی ہے کہ وہ (خود) دیکھنے والے کی نظر سے مخفی ہو جاتا ہے۔(اور وہی چیز نظر آتی ہے جو آئینے کے بالمقابل ہوتی ہے) لہذا صفات لامحالہ بن جانے کے حکم کی وجہ سے ان کی نگاہوں سے پوشیدہ ہوگئی ہیں اور چونکہ صفات انہیں نظر نہیں آئیں اس لئے وہ فیصلہ دے دیتے ہیں کہ وہ خارج میں عین ذات اور علم کے مرتبہ ہیں جو انہوں نے ذات تعالیٰ وتقدس کے ساتھ صفات کی مغائرت (غیر ہونا) ثابت کی ہے تو وہ محض اس بنا پر ہے کہ تا کہ بالکلیہ صفات کی نفی لازم نہ آئے۔

اور اگر یہ بعض حضرات اس مقام سے اور اوپر پہنچ جاتے اور ان کا شہود صفات کے ان آئینوں سے باہر نکل جاتا ہے تو وہ حقیقت حال کو جو کچھ کہ ہے جان لیتے ہیں سمجھ جاتے کہ

علمائے سنت کا یہ فیصلہ صحیح اور واقعہ کے مطابق اور فانوس نبوت علی صاحبھا الصلوۃ والسلام و التحیہ سے ماخوذ ہے کہ صفات (الگ) موجود ہیں اور وہ ذات پر زائد ہیں۔

(29) معرفت

کفر شریعت اور کفر حقیقت! کارکنان (قضاوقدر) جس کسی کو محض اپنے فضل سے ترقیات کی دولت سے مشرف فرمانا چاہتے ہیں۔ ہر مقام میں اسے فنا اور بقا عطا فرما دیتے ہیں جب تک اس کو نزول کے مقام میں کچھ فنا اور بقا میسر نہ آ جائے اس مقام سے اوپر کی طرف عروج کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا یہی اللہ کا طریقہ ہے جو اس سے پہلے بھی گذر رہا ہے اور تم اللہ تعالیٰ کے طریقے میں کسی قسم کی تبدیلی ہرگز نہیں پاؤ گے۔ ایک عزیز فرماتے ہیں

بلفر وباسلام یکساں نگر		کہ ہریک زدیوانِ اودفترے ست
کفر اور اسلام کو یوں جانئے	(ترجمہ)	ہیں دو دفتر اس کے ہی دیوان کے

کفر اور اسلام کو ایک ہی نظر سے دیکھنا غلبہ توحید اور افراط سکر کے وقت میں ہوا کرتا ہے جو جمع محض کے مقام میں حاصل ہوتا ہے اور یہ فنا اور ہلاک ہو جانے کا مقام ہے اور یہ دیکھنا سالک کے اپنے اختیار سے نہیں ہوتا لہٰذا وہ قطعاً معذور ہوتا ہے جس سالک کو اس مقام سے گذرنا نصیب نہ ہو اور وہ فرق بعد الجمع کے مقام تک رسائی حاصل نہ کر سکے حقیقی اسلام کی بو اس کے مشام جان تک بھی نہیں پہنچ سکے گی اور وہ تا ابد کفر حقیقی میں گرفتار رہے گا اور حق سبحانہ کی رضامندی کو اس کی ناراضگی سے جدا نہیں کر سکے گا۔

ہرکس کہ کشتہ گشت ازاں خال ہندوش		گرچہ شہید رفت مسلمان نمی رود
اس کے سیاہ تل پہ جو قربان ہوگیا	ترجمہ	ہوکر شہید بھی وہ مسلمان نہیں رہا

خالِ ہندوی (سیاہ تل) تاریکی اور پوشیدگی کی خبر دیتا ہے جو کہ مقامِ کفر ہی کے مناسب ہے مسلمانی سے کوئی مناسبت نہیں رکھتا اور جس طرح مرتبہ شریعت میں اسلام اور کفر کے درمیان

امتیاز نہ کرنا کفر شریعت ہے اسی طرح حقیقت کے مرتبہ میں ان دونوں کے درمیان امتیاز نہ کرنا کفر حقیقت ہے نیز غلبہ حال کے ظہور سے پہلے اسلام اور کفر کے درمیان امتیاز نہ کرنا جس طرح اہل شریعت کے نزدیک کفر ہے اہل حقیقت کے درمیان بھی کفر اور قابل مذمت ہے اہل شریعت اور اہل حقیقت کے درمیان اگر کچھ اختلاف ہے تو وہ غلبہ حال کی صورت میں ہے جیسا کہ منصور حلاج کا معاملہ ہوا جو کہ مغلوب الحال تھا۔ اہل شریعت نے اس کے کفر کا حکم دیا ہے اہل حقیقت نے نہیں تاہم اہل حقیقت کے نزدیک بھی کوتاہی اس کے دامنگیر ہے وہ اسے کاملین میں سے شمار نہیں کرتے حقیقی مسلمانوں میں سے نہیں سمجھتے منصور کا یہ شعر اسی مضمون کا شاہد ہے۔

كَفَرتُ بِدِينِ اللهِ وَالكُفرُ وَاجِب		لَدَيَّ وَعِندَالمُسلِمِينَ قَبِيح
ہوا کافر میں دین حق سے مجھ پر کفر واجب ہے	(ترجمہ)	اگرچہ سب مسلمانوں کے ہاں یہ کفر بدتر ہے

تنبیہ! لہذا غلبہ حال کے ظہور سے پہلے اصحاب احوال کی پیروی کرنا اور فرق نہ کرنا بدتمیزی ہے الحاد و زندقہ ہے اور کفر شریعت و حقیقت ہے اللہ سبحانہ ہمیں اور تمام مسلمانوں کو ایسی تقلیدات سے محفوظ رکھے تقلید کے شایان شان تو علوم شرعیہ ہی ہیں نجات ابدی حنفی اور شافعی رحمہما اللہ کی تقلید ہی میں منحصر ہے جنید رحمۃ اللہ علیہ اور شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے اقوال و مصلحتوں سے کارآمد ہوتے ہیں ظہور احوال سے پہلے ان اقوال کا سننا طالبین کیلئے ان احوال کی طرف شوق دلانے کا باعث بنتا ہے اور ایک قسم کا وجد پیدا کر دیتا ہے ظہور احوال کے بعد وہ انہی اقوال کو اپنے احوال کی کسوٹی و مصداق بنا لیتے ہیں ان دونوں مصلحتوں کے بغیر ان حضرات کے اقوال کو جاننا اور ان میں غور فکر کرنا ممنوع ہے اس میں نقصان کا احتمال ہے اور جس مقام میں ضرر کا ذرا بھی وہم پایا جاتا ہو عقلمند لوگ اس کی طرف پیش قدمی نہیں کرتے تو جہاں ظن غالب ہو وہاں کیسے ممکن ہے۔

(30) **معرفت**

اسم المُضِلّ کی راہ سے کفار کے واصل ہونے کی تحقیق! بعض مشائخ طریقت قدس اللہ تعالی اسرارہم نے سکر اور غلبہ حال میں فرمایا ہے کہ کافر بھی مومن کی طرح مقصود حقیقی سے واصل ہو جاتا ہے اگرچہ ان کے اصول کی راہ مختلف اور جدا واقع ہوئی ہے کیونکہ کفار خدا کے نام المضل (راہ سے گمراہ کردینے والا) کی راہ سے واصل ہوتے ہیں اور اہل اسلام خدا کے نام "الھادی" (رہنمائی دینے والا) کی راہ سے۔ ان حضرات نے اس مقام میں اسی جیسی بہت سے باتیں کہی ہیں کچھ دوسرے لوگوں نے بھی اس بلند مرتبہ جماعت کے ساتھ تشبہ اختیار کئے ہوئے ہیں اس بارے میں محض تقلید کے طور پر یا توحید صوری کے انوار کے ظہور کے وقت بہت سی باتیں کہہ ڈالی ہیں اور سادہ دل لوگوں کی راہ سے بھٹکا گئے۔

اس بات کی حقیقت ایک دوسرے انداز پر ہے جسے اکابر اہل اللہ پر جو استقامت حال سے مشرف ہیں منکشف فرمایا گیا ہے اس میں سے مختصر کچھ یہاں تقلید کے طور پر یا توحید صوری کے انوار کے ظہور کے وقت بہت سی باتیں کہہ ڈالی ہیں اور سادہ دل لوگوں کو راہ سے بھٹکا گئے ہیں۔

اس بات کی حقیقت ایک دوسرے انداز پر ہے جسے اکابر اہل اللہ پر جو استقامت حال سے مشرف ہیں فرمایا گیا ہے اس میں سے مختصراً یہاں کچھ تحریر کر دیا جاتا ہے۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ! جاننا چاہیے کہ سالک پر اثنائے راہ میں قرب اور معیت حق سبحانہ کو چیزوں کے ساتھ خواہ وہ چیز کوئی سی اور کیسی بھی ہو ظاہر کیا جاتا ہے اور سالک اس وقت ذات حق سبحانہ کو ہر چیز کے ساتھ موجود پاتا ہے اور معیت ذاتیہ، قرب ذاتی احاطہ اور سریان ذاتی کا حکم لگاتا ہے وہ اس قرب و معیت میں ساری چیزوں کو یکساں جانتا ہے وہ چیز خواہ مومن ہو یا کافر یہی قرب اور معیت کا شہود اس جماعت کے لئے سابقہ حکم لگانے کا باعث ہوا ہے جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں

لیکن ارباب صحو (ہوش والے) اوراصحاب تمیز جانتے ہیں کہ اس بارگاہ حق جل سلطانہ سے قرب اور معیت فرض کر لینے کے باوجود یہ لازم نہیں آتا کہ وہ ابھی اس سے قریب ہیں اور اس کے ساتھ ہیں کیونکہ قرب اور فصل تو علم کے اعتبار سے ہوتا ہے اور علم کافر میں مفقود ہے بلکہ عام مومن کے بارے میں بھی لفظ وصل کا اطلاق نہیں کرتے جب تک کہ وہ درجہ ولایت تک نہ پہنچ جائے اور اس کو بقاباللہ کا مقام حاصل نہ ہو جائے اور وہ واصل نہیں ہے اکابر اولیاء اللہ کا یہی مذہب ہے ایک بزرگ فرماتے ہیں۔

دوست نزدیک تر از من نزدیک تر		وین ست مشکل کہ من از وے دروم
دوست مجھ سے بھی زیادہ ہے مرے نزدیک تر	(ترجمہ)	پر یہ مشکل ہے کہ میں ہی خود ہوں اس سے دور تر

یہ دوری حق تعالیٰ کے قرب کو ذوقی طور پر جاننے کے اعتبار سے ہے بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ گمراہی کا منشاء اور غباوت (کند ذہنی) کا سرچشمہ خود یہی بندہ ہے اور بس۔ بارگاہ حق تعالیٰ و تقدس کی جانب سے تو تمام خیر و ہدایت ہی کی فیض رسانی ہو رہی ہے لیکن وہی ہدایت محل خباثت کی وجہ سے گمراہی اور ضلالت کے معنی پیدا کر لیتی ہے اگر چہ یہ معنی بھی حق سبحانہ و تعالیٰ ہی کے پیدا کرنے سے پیدا ہوئے ہیں اس کی مثال صالح غذا کی طرح ہے کہ بیماروں میں بوجہ ردی اخلاط اور فاسد مواد کے وہی صالح غذا فساد مزاج کا سبب اور بدن کی خرابی کا باعث بن جاتی ہے لہذا اس بارگاہ جل وعلا پر المضل نام کا اطلاق اس اعتبار سے ہے کہ وہی ان میں گمراہی کو پیدا کرتا ہے مگر یہ گمراہی خود ان ہی کی ذاتوں کا تقاضا ہوتی ہے جو حق سبحانہ و تعالیٰ کے پیدا کرنے سے وجود میں آگئی ہے اس لئے کہ لوگوں کو خدا کے نام المضل سے بجز اس کے اور کوئی مناسبت نہیں ہے کہ اس نے ان میں گمراہی کو پیدا فرما دیا ہے۔

اس نام کو بھی مذکورہ فعل پیدائش سے قطع نظر کرتے ہوئے حق تعالیٰ سبحانہ کی بارگاہ سے کوئی مناسبت نہیں ہے برخلاف خدائے تعالیٰ کے نام الھادی کے کہ باوجود اس سے قطع نظر

کرنے کے وہی اس میں ہدایت کو پیدا کرتا ہے اس نام کو ذات تعالیٰ وتقدس کے ساتھ مناسبت ہے کیونکہ ہدایت کا منشا خیر اور کمال ہوتا ہے اور ضلالت (گمراہی) کا منشاء شر اور نقصان ہوا کرتا ہے اور اول یعنی ہدایت حق تعالیٰ کی بارگاہ قدس کے لائق ہے اور دوسری یعنی ضلالت اس کے لائق نہیں ہے کیونکہ حق تعالیٰ تو خیر محض ہے نیز ضلالت (گمراہی) کو مضل کے ساتھ کچھ مناسبت نہیں ہے بجز اس کے کہ وہ حق تعالیٰ کی پیدا کردہ ہے کیونکہ وہ شرارتِ محض ہے اور اس کے برعکس حق تعالیٰ کی ذات کمال محض ہے۔

اور ہدایت کو ھادی کے ساتھ مخلوق ہونے کی مناسبت کے علاوہ ایک دوسری مناسبت بھی ہے اور وہ ان دونوں میں خیریت (خیر ہونا) اور کمال کا پایا جانا ہے جیسا کہ ابھی ابھی اس کی طرف اشارہ گذر چکا ہے۔ لہذا گمراہ آدمی کیلئے تو مضل تک راہ ہی نہیں ہے اور ہدایت پانے والے آدمی کیلئے الھادی تک راہ ہے کیونکہ اول یعنی ضلالت (گمراہی) میں اس جہت کی مناسبت نہیں پائی جاتی جوان دونوں کے درمیان مشترک ہو اور دوسری یعنی ہدایت میں جہتِ مشترک کی مناسبت پائی جاتی ہے۔ لہذا ہدایت پانے والا آدمی تو ہدایت کے واسطے سے ہادی تک پہنچ جاتا ہے اور گمراہ آدمی ضلالت کے واسطہ مضل تک رسائی حاصل نہیں کرسکتا جیسا کہ ظاہر ہے۔

مثال! یہ بات ایک مثال سے واضح ہو جاتی ہے صفرا کے مریض کے لئے اس کے فسادِ مزاج کی وجہ سے شیرینی تلخ ہوتی ہے چنانچہ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ صفرا کا مریض اس تلخی کے ذریعہ سے شیرینی سے واصل ہوا ہے کیونکہ شیرینی میں تلخی تو بالکل بھی موجود نہیں ہے وہی شیرینی بوجہ اس کے کہ صفرا کے مریض کا مزاج بگڑا ہوا ہے تلخی کے معنی پیدا کر لیتی ہے اور یہ تلخی اگرچہ ایک عارض کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے لیکن صفراء کے مریض کے لئے شیرینی تک وصول سے مانع بن گئی ہے لہذا گمراہی درحقیقت گمراہ آدمی کیلئے مضل تک رسائی کی مانع ہے۔ رسائی کا باعث نہیں ہے۔

دوسری مثال! دوسری مثال یہ ہے کہ آدمی قلبی بیماری اور موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ دشمنی کے غلبہ کی وجہ سے دریائے نیل کے پانی کو خون پاتا تھا کوئی علقمند آدمی نہیں کہتا کہ وہ قبطی خون کے واسطہ سے پانی سے واصل تھا یہ خون اس کے لئے پانی تک واصل ہونے سے مانع بن گیا تھا۔ پانی میں خون ہونے کی بالکل کوئی بات نہیں تھی۔ وہ تو اس قبطی کے مزاج کے فساد کی وجہ سے حادث ہوا تھا اور اس کے لئے پانی تک پہنچنے کا مانع بن گیا اسے خوب سمجھ لو۔

لہذا اس جماعت نے حق سبحانہ وتعالیٰ کے قریب ہونے کا تو لحاظ کیا اور بندہ کی جہت کا کوئی لحاظ نہ کرتے ہوئے حق سبحانہ وتعالیٰ کے ساتھ بندہ کے قرب کا فیصلہ دے دیا۔ انہوں نے غائب اور حاضر میں کوئی فرق نہیں کیا ہے لیکن ارباب صحو وتمیز (ہوش اور تمیز والے) حضرات فرق کرنے والے لوگ ہیں انہوں نے ایسا فیصلہ دیا ہے جو واقعہ کے مطابق ہے واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم اور وہی حق کو حق ثابت کرتا ہے اور راستہ کی رہنمائی فرماتا ہے۔

تنبیہ! اور وہ جو ہم نے کہا تھا کہ اثنائے راہ میں سالک پر حق سبحانہ وتعالیٰ کا قرب ظاہر ہوتا ہے اور وہ اس لئے کہا تھا کہ منتہی حضرات اشیاء کے ساتھ حق سبحانہ وتعالیٰ کے قرب کو قریب علمی سمجھتے ہیں اور معیت اور احاطہ اور سریان بھی علمی ہوتا ہے اور وہ مسئلہ میں علمائے اہل حق کے موافق ہیں اور علم سابق سے استغفار کرتے ہیں وہ حق تعالیٰ وتقدس کی ذات کو عالم (کائنات) کے ساتھ کوئی نسبت بھی نہیں دیتے اور ہر وہ نسبت جو واقع ہوتی ہے اسے حق سبحانہ وتعالیٰ کی صفات کے ساتھ نیچے لے آتے ہیں وہ ذات حق کو بے چوں و بے چگوں جانتے ہیں کسی نسبت کو ثابت کرنا اس مقصد کے منافی (خلاف) ہے لہذا وہ قرب اور معیت جو ذات کے اعتبار سے ہوا ہے وہ دونوں طرف مسلوب (منفی) سمجھتے ہیں یہ اللہ کا فضل ہے وہ جسے چاہتا ہے دیتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

(31) معرفت

سیر کی حقیقت اور اس کی اقسام! سیر اور سلوک سے مراد وہ حرکت ہے جو علم میں ہوتی ہے اور مقولہ کیف سے تعلق رکھتی ہے حرکت اَینَ کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔

سیر اول! لہذا سیر الی اللہ (خدا کی طرف سیر) سے مراد وہ حرکت علمیہ ہے جو علم اسفل اعلی تک جاتی ہے اور اس اعلی سے دوسرے اعلی تک یہاں تک کہ سالک آخر تمام علومِ ممکنات کو طے کر لینے اور ان کے بالکلیہ زوال پذیر ہو جانے کے بعد علم واجب تک پہنچ جاتا ہے اس حالت کو فنا سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

سیر دوم! اور سیر فی اللہ (اللہ میں سیر) سے مراد وہ حرکت علمیہ ہے جو مراتب وجوب میں ہوتی ہے اور جس کا تعلق اسماء وصفات اور شیون واعتبارات اور تقدیسات وتنزیہات سے ہوتا ہے یہاں تک کہ آخر میں وہ اس مرتبہ تک پہنچ جاتا ہے جسے کسی عبارت سے تعبیر کرنا اور کسی اشارہ سے اس کی طرف اشارہ کرنا ممکن نہیں ہے نہ کوئی جاننے والا اسے جان سکتا ہے اور نہ کوئی ادراک کرنے والا اس کا ادراک کر سکتا ہے اس سیر کو بقا کے نام سے یاد کرتے ہیں

سیر سوم! اور سیر عن اللہ باللہ (اللہ کی طرف سے اللہ کے ساتھ سیر) جو تیسری سیر ہوتی ہے اس سے مراد وہ حرکت علمیہ ہے جو علم اعلی سے علم اسفل کی طرف نیچے اترتی ہے اور اسفل سے پھر اسفل کی طرف یہاں تک کہ سالک ممکنات کی طرف واپس لوٹ آتا ہے اور مراتب وجوب کے تمام علوم سے نیچے اتر آتا ہے یہی سالک ہے جو اللہ تعالیٰ کو بھول گیا ہے اور اللہ کے ساتھ اللہ کی طرف سے واپس آجاتا ہے یہی پانے والا اور گم کرنے والا ہے یہی واصل ومہجور ہے اور یہی قرب وبعید ہے۔

سیر چہارم! اور چوتھی سیر جسے سیر در اشیاء کہتے ہیں اس سے مراد علم اشیاء کا حصول ہے جو علوم اشیاء کے زوال کے بعد درجہ بدرجہ ہر ایک چیز کے متعلق حاصل ہوتا ہے (یعنی سیر اول میں تمام اشیاء کے علوم زوال پذیر ہو جاتے ہیں پھر اس کے بعد چوتھی سیر میں درجہ بدرجہ

ایک ایک چیز کا علم حاصل ہوتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ تمام اشیاء کا علم حاصل ہو جاتا ہے) لہذا چوتھی سیر سیر اول کے مقابلہ میں اور تیسری سیر سیر دوم کے مقابلہ میں ہے جیسا کہ تم دیکھ چکے ہو

حاصل کلام! اور سیر اللہ اور سیر فی اللہ خود ولایت کو حاصل کرنے کے لئے ہوتی ہے جس سے مراد فنا اور بقا ہے اور تیسری اور چوتھی سیر مقام دعوت کے حصول کے لئے ہوتی ہے جو انبیاء مرسلین کے ساتھ مخصوص ہے خدائے تعالیٰ کی رحمتیں اور سلامتیاں ہوں ان سب پر عموماً اور ان کے افضل ترین پر خصوصاً اور انبیائے کرام علیہم الصلوات التسلیمات کے کامل ترین متبعین کا بھی مقام دعوت میں کچھ حصہ ہوتا ہے جیسا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے قُل هٰذا سَبِيلِي ادعُوا اِلَى اللهِ عَلَى بَصِيرَةٍ اَنا وَمَنِ اتَّبَعَنِى (اے پیغمبر کہہ دیجیے کہ یہی میری راہ ہے کہ میں خدا کی طرف بصیرت کے ساتھ دعوت دیتا ہوں) اور میرے متبعین بھی یہی دعوت دیتے ہیں)

(32) معرفت

کسی توجہ کی برتری طبعی وجہ پر! کچھ لوگ جو فطری طور پر ہی ـــــــــ حضور اور توجہ کا ملکہ رکھتے ہیں اور ان کی اس توجہ میں کسب کو کوئی دخل نہیں ہوتا تو اس کا راز یہ ہے کہ روح کو بدن کے ساتھ تعلق پیدا ہونے سے پہلے ایک قسم کی توجہ اور حضور حاصل ہوتا ہے جب اسے بدن عنصری کے ساتھ تعلق کر دیا جاتا ہے اور عشق و محبت کی نسبت درمیان میں آ جاتی ہے تو روح پوری طرح سے بدن کی طرف ایسی متوجہ ہو جاتی ہے کہ وہ اپنے آپ کو اور اپنے گزشتہ احوال کو بالکل فراموش کر دیتی ہے ان میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جنہیں کسی دوسرے امر کی طرف توجہ غالب ہونے کی وجہ سے سابقہ توجہ بالکل فراموش نہیں ہوتی اور بدن کے ساتھ تعلق ہو جانے کے باوجود اس کا اثر باقی رہ جاتا ہے لہذا لامحالہ ان کی یہ توجہ عمل اور کسب کی محتاج نہیں ہوتی لیکن یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ جو لوگ (احوال سابق کو) پوری طرح سے فراموش کر چکے ہوں اگر بدن کے ساتھ تعلق قائم ہو جانے کے بعد انہیں کوئی عروج

نصیب ہوتا ہے تو وہ پہلی جماعت سے سبقت لے جاتے ہیں اگر چہ پہلی جماعت بھی ترقی کرتی ہے کیونکہ ان کا (احوال سابق کو) بالکل فراموش کر دینا اور پھر اپنے معشوق یعنی بدن کی طرف پوری طرح متوجہ ہو جانا ان کی لطافت استعداد کو بتاتا ہے کہ وہ جس کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں وہی بن جاتے ہیں اور اس کے سوا کو بالکلیہ فراموش کر دیتے ہیں برخلاف اس صورت کے جس میں آدمی احوال سابقہ کو نہیں بھولتا کیونکہ اس سے معشوق کی طرف متوجہ ہونے میں نقص سمجھا جاتا ہے۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

(33) معرفت

سابقین اور محبوبین میں فرق! سابقین میں چونکہ حضور اول ہی سے حاصل ہے اس لئے ممکن ہے کہ یہ حضور ان کی کلیت (ظاہر و باطن) میں سرایت کر جائے اور ان کی بصارت، بصیرت کا حکم اختیار کر لے اور ان کا ظاہر باطن کے رنگ میں رنگ جائے لیکن وہ سیرایت جو محبوبوں میں ہوتی ہے وہ دوسری چیز ہے کیونکہ محبوب حضرات بالکلیہ اپنے آپ سے نکل کر اسی کے ساتھ باقی ہو گئے ہیں اور ان کے وجود کے ذرات میں سے ہر ذرہ اسی کے ساتھ باقی بن گیا ہے۔ برخلاف سابقین کے کہ ان کے وجود کا بقایا اپنے حال پر ہے وہ خود اپنے ساتھ باقی ہیں اس کے ساتھ باقی نہیں ہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ انہوں نے اس کا رنگ اختیار کر لیا ہے۔

(34) معرفت

بندہ کی قدرت واختیار اور اس پر جزا کا مرتب ہونا! حق تعالیٰ سبحانہ سے زیادہ سچی بات کہنے والا اور کون ہو سکتا ہے کہ **وَمَا ظَلَمَهُمُ اللهُ وَلٰكِنْ كَانُوْا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ** (یعنی اور اللہ نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا وہ تو خود ہی اپنے آپ پر ظلم کرتے تھے) اس آیتِ کریمہ میں حق سبحانہ سے ظلم کی نفی اور ان لوگوں کے لئے ظلم کا ثابت ہونا ظاہر ہے کیونکہ

(خدا کی جانب سے) ظلم کی تخلیق ان کے ارادہ کے بعد ہوئی ہے اور ان کا ارادہ اس علم کے بعد صادر ہوتا ہے جو انہیں بھلائی اور برائی کے متعلق حاصل ہے اور بھلائی و برائی دونوں کا شریعت میں وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا گیا ہے۔ اور یہ بھلائی و برائی دونوں یکساں طور پر ان کی قدرت میں ہوتی ہیں لہذا (پہلے) بندے خود ہی اس برائی کا ارادہ کرتے ہیں جس کا برا ہونا شریعت میں واضح کر دیا گیا ہے۔۔۔۔۔۔اس کے بعد جیسا کہ وہ ارادہ کرتے ہیں حق تعالی اس برائی کو پیدا کر دیتا ہے اور وہ خود ہی اس خیر اور بھلائی کو چھوڑ دیتے ہیں جو ان کی قدرت میں ہوتی ہے اور جس کا بھلا ہونا شریعت کی رو سے انہیں معلوم ہے لہذا خدا نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود ہی اپنے نفسوں پر ظلم کر رہے ہیں۔

اب یہ بات باقی رہ گئی ہے کہ ان کی قدرت اور ارادہ بھی تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی کا پیدا کیا ہوا ہے تو یہ بات بھی ان بندوں سے ظلم کی نفی کر دیتی ہے کیونکہ حق سبحانہ وتعالی نے جو قدرت پیدا فرمائی ہے اس کی نسبت بھلائی اور برائی دونوں کی طرف برابر ہے یہ بات نہیں ہے کہ خدا نے ان میں برائی ہی کی قدرت پیدا کی ہو اور بھلائی کی قدرت پیدا نہ فرمائی ہو جس سے وہ برائی کے کرنے پر مجبور ہو گئے ہوں یہی حال تخلیق کردہ ارادہ کا ہے کہ جب اسے خیر اور شر دونوں کا علم ہو چکا ہے تو اب وہ ان دونوں میں سے جس جہت کو چاہے ترجیح دے سکتا ہے پس بندہ شریعت کی رو سے برائی اور شر کو جانتے ہوئے بھی شر ہی کو اختیار کرتا ہے حالانکہ اس کی قدرت کی نسبت بھلائی اور برائی دونوں کی طرف یکساں طور پر تھی اس طرح ارادہ کے اعتبار سے بھی دونوں زیر قدرت صورتوں میں سے کسی ایک صورت کو دوسری کے بجائے مخصوص کر لینا اس کے لئے درست تھا اس سے ظاہر ہے کہ اس پر جو کچھ ظلم ہوا ہے وہ خود اس کے نفس ہی نے کیا ہے اور حق سبحانہ نے اس پر کوئی ظلم نہیں کیا۔

یہی حال ازلی علم اور ازلی قضا (تقدیر) کا بھی ہے کہ وہ دونوں بھی بندوں سے ظلم کی نفی نہیں کرتیں کیونکہ حق تعالی سبحانہ نے جان لیا اور ازل میں فیصلہ کر دیا کہ فلاں بندہ عمل کرنے میں اس کے شر کے پہلو کو اختیار کرے گا اور خیر کو چھوڑ دے گا اور یہ سب کچھ اپنے

اختیار سے کرے گا لہذا علم اور قضا (تقدیر فیصلہ) بندے کے مختار ہونے کو مضبوط کرتے ہیں اس کی نفی نہیں کرتے یہ ایسا ہی ہے جیسے کسی شخص کو بذریعہ کشف کے بعض غیب کی باتوں کا علم حاصل ہو جائے وہ معلوم کرلے اور فیصلہ کردے کہ فلاں آدمی عنقریب اپنے اختیار سے یہ کام کرے گا (تو اس شخص کا) یہ علم اور فیصلہ جس طرح بندہ کے اختیار کی نفی نہیں کرتے اسی طرح علم الٰہی اور قضائے الٰہی جل شانہ بھی اس کی نفی نہیں کرتے **واللہ سبحانہ اعلم بحقیقۃ الحال وصلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا محمد و آلہ وسلم۔**

اور یہ مسئلہ علم کلام کے پیچیدہ ترین مسائل میں سے ہے اس پر کچھ راسخ علماء کے سوا دوسرے لوگ واقف نہیں ہو سکے۔ اور حق سبحانہ وتعالیٰ ہی کی توفیق عطا فرمانے والا ہے

(35) معرفت

قطب ابدال اور قطب ارشاد کا فیض! قطب ابدال ان فیوض و برکات کے پہنچنے کا واسطہ ہوتا ہے جو عالم کے وجود اور اس کے بقا سے تعلق رکھتے ہیں اور قطب ارشاد ان فیوض و برکات کے پہنچنے کا ذریعہ ہوتا ہے جو دنیا کے ارشاد و ہدایت سے تعلق رکھتے ہیں لہذا پیدائش رزق رسانی ازالہ بلیات (مصائب کو دور کرنا) بیماریوں کو دور کرنا اور صحت و عافیت کا حصول قطب ابدال کے مخصوص فیوض سے تعلق رکھتے ہیں اور ایمان و ہدایت توفیق حسنات اور گناہوں سے رجوع و توبہ قطب ارشاد کے فیوض کا نتیجہ ہوتا ہے۔ قطب ابدال ہمہ وقت کام میں مشغول رہتا ہے اور اس سے دنیا کے خالی ہونے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ دنیا کا انتظام اس سے وابستہ ہے اگر اس قسم کے قطب میں سے کوئی قطب چلا جائے (فوت ہو جائے) تو دوسرا آدمی اس کی جگہ پر مقرر کردیا جاتا ہے لیکن قطب ارشاد کے لئے ضروری نہیں ہے کہ وہ ہمہ وقت موجود ہو ایک وقت ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ دنیا ایمان و ہدایت سے بالکل ہی خالی ہو جائے۔

اور کمال کے اعتبار سے ان قطبوں کے افراد میں بڑا فرق ہے لیکن یہ فرق ان سب کے درجہ ولایت تک واصل ہونے کے بعد ہے اقطاب ارشاد میں فرق ان سب کے درجہ

ولایت تک واصل ہونے کے بعد ہے اقطاب ارشاد میں سے جو فرد (شخص) کامل ترین ہوتا ہے وہ حضرت خاتم الرسل علیه وعلیهم من الصلوات افضلها ومن التسلیمات اکملها کے قدم پر ہوتا ہے اور اس فرد (شخص) کا کمال حضور اکرم ﷺ کے کمال کے مطابق ہوتا ہے ان دونوں میں فرق اصل ہونے اور تابع ہونے کا ہی ہوتا ہے اس کے علاوہ کوئی اور فرق نہیں ہوتا اور حضور اکرم ﷺ قطب الارشاد ہی تھے اور اس وقت میں قطب ابدال حضرت عمر اور اویس قرنی رضی اللہ عنہما

قطب ارشاد سے فیض پہنچنے کا طریقہ ! اور قطب سے دنیا کو فیض پہنچنے کا طریقہ یہ ہے کہ قطب بوجہ اپنی حاصل کردہ جامعیت کے مبداء فیاض کے لئے مثل صورت اور مثل سایے کے بن گیا ہے اور دنیا تمام کی تمام خود اس قطب جامع کی تفصیل ہے چنانچہ بغیر کسی تکلف کے حقیقت سے صورت تک فیض پہنچتا ہے اور صورت جامعہ (قطب) سے عالم تک بغیر کسی رکاوٹ کے فیض پہنچتا ہے جو کہ اس کی تفصیل کے مثل ہے لہذا افیاض مطلق تو حق تعالیٰ ہی ہے اور خود واسطہ (یعنی قطب) کی اس فیض رسانی میں کوئی کاری گری نہیں ہے بلکہ اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ واسطہ کو اس فیض رسانی ۔۔۔ کی اطلاع بھی نہیں ہوتی۔

از ماوشما بہانہ برساختہ اند

ترجمہ ہمارا اور تمہارا درمیان میں اک بہانہ ہے

سوال ! اگر کوئی شخص کہے کہ ایمان وہدایت کی نسبت تو عام خلائق کے ساتھ نہیں ہے لہذا اقطب ارشاد کے فیوض عام نہیں ہوں گے بلکہ اہل ایمان وہدایت کے ساتھ مخصوص ہوں گے اور حضرت رسالت مآب ﷺ تو رحمت عالمیان ہیں اور اس کے ساتھ ہی (جیسا کہ آپ نے کہا ہے وہ) قطب ارشاد بھی ہیں تو اس کا مطلب کیا ہوگا؟

جواب ! میں اس کا جواب یہ دوں گا کہ مبداء فیاض سے جو کچھ فیض پہنچتا ہے اور تفصیل پاتا ہے وہ تو سب خیر و برکت اور ایمان وہدایت ہی ہے شر اور نقص کی تو اس مقام

میں کوئی گنجائش ہی نہیں ہے خواہ وہ فیض اہل سعادت تک پہنچے یا اہل شقاوت تک ۔۔۔۔لیکن وہی ہدایت وارشاد بوجہ محل کی خباثت کے فساد پیشہ لوگوں میں گمراہی اور شرارت کے معنی پیدا کر لیتا ہے اسی انداز پر جس طرح غذا صالح بیمار آدمی میں محل خراب ہونے کی بنا پر اخلاط ردیہ اور امراض مہلکہ کا باعث بن جاتی ہے لہذا فساد پیشہ لوگوں میں وہی ہدایت ان کے قلبی امراض کی وجہ سے گمراہی کے معنی پیدا کر لیتی ہے جیسا کہ دریائے نیل کا پانی پسندیدہ اور محبوب لوگوں کیلئے پانی ہوتا ہے اور مجوبین (مخالفین) کے لئے ایک مصیبت و آزمائش بن جاتا ہے حقیقت میں وہ پانی ہے لیکن قبطی اسے خون پاتا ہے اور اس کا اسے خون پانا بوجہ اس کی اپنی خباثت کے ہے نہ پانی کی کسی خرابی کے باعث سے صفرا کا مریض جسے شیرینی بھی تلخ محسوس ہوتی ہے تو وہ اس کے اپنے مزاج میں خرابی کی وجہ سے ہوتی ہے شیرینی کی ذات میں کوئی تلخی پیدا نہیں ہوتی ۔۔۔۔ بلکہ محل کے فساد کی وجہ ہی تلخی کے معنی اس محل میں پیدا ہو گئے ہیں جیسا کہ پہلے تفصیل سے گذر چکا ہے لہذا ثابت ہو گیا کہ جو کچھ حق تعالیٰ وتقدس کے جانب سے پہنچتا ہے وہ خیر و برکت اور صلاح و رشد ہی ہے لیکن وہی خیریت (بھلائی) فساد کی جگہ میں فساد کے معنی پیدا کر لیتی ہے لہذا حق تعالیٰ سبحانہ پر مضل کا اطلاق اس معنی میں ہوتا ہے کہ خباثت کا محل جس فساد کا مقتضی ہوتا ہے وہ حق سبحانہ وتعالیٰ کے پیدا کر دینے سے وجود میں آ جاتا ہے اس لئے یہ بات ثابت ہو گئی کہ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللهُ وَلٰكِنْ كَانُوٓا اَنفُسَهُمْ يَظْلِمُوْن (اور خدائے تعالیٰ نے ان پر کوئی ظلم نہیں فرمایا وہ تو خود ہی اپنے نفسوں پر ظلم کرتے تھے)

قضا اور قدر کا ازالہ! اگر لوگ یہ کہیں کہ خباثِ محل کہاں سے آ گئی؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ انسانی بدن مثلاً عناصر اربعہ سے مرکب ہے اور ہر عضو جو جسمِ انسانی کا جزو ہے وہ ایک قسم کی خصوصیت کا مقتضی ہے مثلاً جزو ناری ۔۔۔۔ بلندی اور سرکشی چاہتا ہے اور جزو خاکی ۔۔۔۔ پستی اور نیچائی چاہتا ہے وعلی ہذا القیاس۔

لہذا ان عناصر کے اجتماع میں ہر وہ شخص جو اعتدال سے زیادہ نزدیک ہے اسے

بسیط حقیقی (ذات حق) سے زیادہ مناسبت ہوتی ہے اور اس مناسبت کی بنا پر ایسا آدمی خیر و برکت اور رشد و ہدایت کے زیادہ لائق ہوتا ہے اور جو شخص اعتدال سے زیادہ دور ہے اس میں بعض اجزا کی خصوصیات زیادہ مغلوب ہو جاتی ہیں اور اس اختلال کی وجہ سے انہیں بسیط حقیقی (ذات حق تعالیٰ) سے مناسبت بھی کم رہ جاتی ہے لہذا لامحالہ خیر و برکت اور ان جیسی باتوں سے انہیں بہت کم حصہ نصیب ہوتا ہے فساد محل سے مراد اس نظامِ (جسم) کا خلل آ جانا اور اسی اعتدال کا بگڑ جانا ہے اور جو روح ان اجزائے مجتمعہ پر فائض ہوتی ہے اگر چہ اپنی ذات کے اعتبار سے اس قسم کے اختلال سے خالی ہوتی ہے کیونکہ وہ بسیط ہے اور یہ اختلال مرکب ہی میں صورت پذیر ہوتا ہے لیکن حق تعالیٰ نے اسے اس انداز پر پیدا فرمایا ہے کہ وہ اپنی انتہائی لطافت کی وجہ سے اپنے پڑوسی کا اثر قبول کر لیتی ہے بلکہ اپنے آپ کو اس میں گم کر کے خود کو اس کا عین بنا لیتی ہے لہذا وہ خباثت ہمسائیگی کی وجہ سے (جسم سے) روح میں بھی سرایت کر جاتی ہے۔

فرشتے اپنے بسیط (یعنی غیر مرکب) ہونے کی وجہ سے شرارت اور اس جیسی چیزوں سے منزہ و پاک ہیں اور اس وجہ سے بھی کہ انہیں ایسے مرکبات سے جن کے انتظام میں خلل آ گیا ہے کوئی مناسبت نہیں ہے اور اگر بالفرض بعض فرشتوں میں شر کا وجود صحیح مان لیا جائے تو اس کے جواز کی وجہ سے بعض ان افراد ملائکہ میں بعض مرکبات کے ساتھ ان کی مناسبت ہو سکتی ہے اگر چہ وہ مناسبت فی الجملہ (بہت کم) ہی کیوں نہ ہو اور اس مناسبت کا مطلق طور پر انکار کر دینا محض ضد اور ہٹ دھرمی ہے اس کے بعد میں کہتا ہوں کہ حق سبحانہ وتعالیٰ نے پیدا کردہ یعنی غیر حقیقی بسیط چیزوں میں ترکیب اجتماع کو بھی پیدا فرما دیا ہے اگر چہ اس ترکیب واجتماع کے درجے مختلف ہیں اور جس طرح سے کہ ان بسائط میں سے ہر بسیط کسی نہ کسی امر کا مقتضی تھا ہر اجتماع بھی کسی نہ کسی امر کا مقتضی ہو گیا اس کے بعد حق تعالیٰ نے اس اجتماع کا جو تقاضا تھا اس کو پیدا فرمایا لہذا وہ فساد اس مرکب کی ذات کو لازم آتا ہے اور اس لازم کا پیدا کرنا بھی حق تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے اور اس میں کوئی برائی کی بات نہیں ہے اور حق تعالیٰ کی

ذات کی طرف کسی قسم کا کوئی شر یا نقص منسوب نہیں ہوسکتا بلکہ بات صرف اتنی ہے کہ حق تعالیٰ اس شر اور نقص کا خالق اور موجد ہے اور کسی بری چیز کو پیدا کر دینا کوئی برائی نہیں ہے لہذا شرارت اور فساد خود ان چیزوں کی طرف لوٹتا ہے اور خیر واصلاح حق سبحانہ وتعالیٰ وتقدس کی طرف یہ ہے کہ قضا وقدر کے مسئلہ کا راز اور اس بات کے مان لینے اور اس فیصلہ پر کوئی برائی لازم نہیں آتی اور یہ فیصلہ شائبہ ایجاب سے جو کہ حق تعالیٰ سبحانہ کے اختیار کے منافی ہے پاک ہے (یعنی اس بات کی آمیزش سے پاک ہے کہ حق تعالیٰ کے ذمہ کوئی بات ضروری قرار دی جائے۔)

لہذا اس پر غور کرنا تمہارے لئے ضروری ہے کہ تا کہ تم پر اس کا راز واضح ہو جائے اور تمہیں اہل بدعت وضلالت کے بہت سے اعتقادات سے نجات حاصل ہو جائے اور اللہ تعالیٰ ہی حق کو حق ثابت کرتا ہے اور وہی صحیح راستہ کی رہنمائی فرماتا ہے یہ راز ان رازوں میں سے ہے جن کا تعلق حق تعالیٰ نے مجھے الہام فرمایا بلکہ مجھے اس کے ساتھ مخصوص فرمایا سو حق سبحانہ کیلئے حمد ہے اور اس کا احسان ہے اس انعام پر بھی اور باقی تمام انعامات پر بھی۔

سوال! اگر لوگ دریافت کریں کہ حق سبحانہ وتعالیٰ کو اپنے قدیم علم میں یہ معلوم تھا کہ اس انداز کی ترکیب فساد اور خباثت کا باعث ہوگی تو اس نے اس ترکیب کو پیدا ہی کیوں فرمایا۔؟۔

جواب! اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اعتراض اس گروہ پر وارد ہوتا ہے جو حق سبحانہ وتعالیٰ پر اس بات کو واجب سمجھتے ہیں کہ وہ صالح ترین چیز ہی پیدا فرمائے لیکن ہم تو حق تعالیٰ سبحانہ پر کسی چیز کو بھی واجب اور لازم نہیں سمجھتے اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جس طرح چاہتا ہے فیصلہ کرتا ہے جو کچھ کرتا ہے وہ اس کا جواب دہ نہیں ہے البتہ سب لوگ جوابدہ ہیں اور اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ پیدا ہونے کے بعد وہ مرکب ہی اسی قسم کے خبث اور فساد کو مستلزم ہوگا اور اس لازم آنیوالی چیز کو بھی حق سبحانہ وتعالیٰ نے ہی خود اپنے ارادہ سے پیدا فرمایا

ہے بطور ایجاب اور محکومیت کے نہیں جب کہ بعض لوگوں نے خیال کرلیا ہے۔اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر پورا غلبہ اور تسلط رکھتا ہے لہذا بندوں کا اس پر کوئی حکم نہیں چلتا کہ جس سے وہ ان کا محکوم ہو جائے اور بندہ محکوم اس کا حاکم بن جائے۔حاصل یہ ہے کہ سرچشمہ فساد صرف مخلوق ہی ہے اور بس۔اس کا پیدا کرنے والا حق تعالیٰ جس کی شان بہت ہی بلند ہے ظلم کی آمیزشوں ایجاب کے لوازم اور محکومیت کے نقائص سے منزہ اور مبراء ہے جو کچھ عام لوگ اللہ کے متعلق کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے پاک اور بہت ہی بلند ہے۔ واللہ سبحانہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

(36) معرفت

ولایت شہادت اور صدیقیت کے علوم کا فرق! جاننا چاہیے کہ ولایت شہادت اور صدیقیت کے مقامات میں سے ہر مقام کے علوم و معارف الگ الگ ہیں جو اسی مقام سے مناسبت رکھتے ہیں مرتبہ ولایت میں علوم زیادہ تر سکر آمیز ہوتے ہیں کیونکہ اس مرتبہ میں سکر غالب ہے اور ہوش مغلوب اور مرتبہ شہادت میں جو درجات ولایت میں سے دوسرا درجہ ہے سکر مغلوب ہو جاتا ہے اور درجہ صدیقیت جو مراتب ولایت میں سے تیسرا مرتبہ ہے اور درجات ولایت کی آخری حد ہے کہ اس کے اوپر ولایت کو کائی درجہ نہیں بلکہ اس سے اوپر نبوت کا مرتبہ ہے اس درجہ کے علوم سکر سے بالکل آزاد ہوتے ہیں اور علوم شریعت کے مطابق ہو جاتے ہیں صدیق انہی علوم شرعیہ کو الہام کے ذریعے سے حاصل کرتا ہے جیسا کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام وحی کے ذریعے سے حاصل فرماتے ہیں صدیق اور نبی کا فرق حاصل کرنے کے طریقے میں ہے ماخذ میں کوئی فرق نہیں ہے دونوں حق تعالیٰ ہی سے حاصل کرتے ہیں لیکن صدیق، نبی کی پیروی کی وجہ سے اس درجہ تک پہنچتا ہے کہ نبی اصل ہے اور صدیق اس کی فرع ہے نیز یہ کہ نبی کے علوم قطعی ہوتے ہیں اور صدیق کے علوم ظنی ہوتے ہیں نیز یہ بھی کہ نبی کے علوم دوسروں پر حجت ہوتے ہیں اور صدیق کے علوم دوسروں پر حجت نہیں ہوتے۔

درقافله که اوست دانم نرسم		این بس که رسد زدور بانگ جرسم
وہ ہے جس قافلہ میں جانتا ہوں میں نہ پہنچوں گا	ترجمہ	غنیمت ہے کہ آواز جرس تو مجھ تک آتی ہے

اللہ کی رحمتیں اور سلامتیاں نازل ہوں ہمارے نبی علیہ پر اور تمام انبیاء ومرسلین پر اور ملائکہ مقربین پر اور تمام فرماں بردار بندوں پر۔

لہذا اگر اس رسالہ میں کچھ علوم ومعارف بطور تنافی یا تعارض کے آگئے ہوں تو ان علوم کے اختلاف کو درجات ولایت کے اختلاف پر محمول کرنا چاہیے کیونکہ ہر درجہ کے علوم الگ ہوتے ہیں جیسا کہ میں نے تحقیق کے ساتھ بیان کر دیا ہے علوم توحید درجہ ولایت سے مناسبت رکھتے ہیں اور درجہ شہادت کے علوم ومعارف کو اگر معلوم کرنا چاہتے ہو تو اس معرفت کو جو آیت کریمہ لیس کمثله شئ میں مذکور ہوئی ہے اچھی طرح حاصل کر لو کیونکہ اس مقام کے علوم مرتبہ شہادت کے علوم میں سے ہیں چونکہ سالک اس مقام میں اپنے آپ کو اور اپنی صفات کو بالکل مردہ پاتا ہے اسی لئے البتہ اس مقام کو شہادت کے لقب سے ملقب کیا گیا ہے اور علوم صدیقیہ خود بعینہ علوم شرعیہ ہیں جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے اور صحیح اور قابل اعتبار علوم وہی ہیں جو علومِ شرعیہ کے مطابق ہوں حق تعالیٰ سبحانہ ہمیں روشن شریعت پر صاحب شریعت علیہ وعلی آلہ الصلواۃ والسلام کے طفیل میں ثابت قدم رکھے۔

(37) معرفت

ماسوی سے قطع تعلق! جو کچھ ہم پر واجب ہے وہ ماسوائے حق سبحانہ کی گرفتاری سے اپنے دل کو سلامت اور محفوظ رکھنا ہے اور یہ سلامتی اس وقت حاصل ہوتی ہے جب کہ غیر حق سبحانہ کا دل پر کوئی گذر نہ رہے اگر بالفرض ہزار سال تک بھی زندگی وفا کرے تو اس نسیان کے باعث جو دل کو ماسوا سے حاصل ہو گیا ہے غیر کا دل پر گذر نہ ہو سکے۔

کار این ست, غیر این ہمہ ہیچ۔

ترجمہ! کام یہ ہے اور سب کچھ ہیچ ہے

(38) معرفت

مقام صدیقیت کا منتہیٰ! بعض اکابر مشائخ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم نے فرمایا ہے کہ صدیقین کے دماغوں سے جو چیز سب سے آخر میں نکلتی ہے وہ حب جاہ اور حب ریاست ہے بعض لوگوں نے اس جاہ وریاست کے متعارف ومشہور معنی کے خلاف معنی مراد لیے ہیں اور کہا ہے کہ حب جاہ وریاست کا نکل جانا صدیقیت کے پہلے قدم میں ہوا کرتا ہے لیکن اس حقیر کے نزدیک جو بات تحقیق کو پہنچی ہے وہ یہ ہے کہ حب جاہ اور حب ریاست کی ایک قسم ایسی ہے کہ اس کا تعلق نفس سے ہوتا ہے۔

اور اس میں ذرا بھی شبہ نہیں کہ جب تک یہ برائی نفس سے دور نہ ہو جائے وہ تزکیہ یافتہ نہیں ہو سکتا اور جب تک وہ تزکیہ حاصل نہ کرلے مقام ولایت تک نہیں پہنچ سکتا مقام صدیقین تک پہنچنا تو بڑی بات ہے کہنے والے سے مراد اس قسم کی جاہ وریاست نہیں ہے جاہ کی ایک اور قسم بھی ہے جس کا تعلق لطیفہ قالب سے ہوتا ہے اور اس کی فطرت سے انا خیر منہ (میں اس سے بہتر ہوں) کی صدائیں بلند ہوتی رہتی ہیں اس قسم کی جاہ (کا دماغ سے نکل جانا) اطمینان نفس کے حاصل ہو جانے اور مرتبہ ولایت تک پہنچ جانے بلکہ صدیقیت کے حاصل ہو جانے کے بعد متحقق (ثابت) ہوا کرتا ہے اور کہنے والے کی مراد جاہ وریاست کی یہی قسم ہوگی کہ اس کا (دماغ س) نکل جانا صدیقیت کے مقام کی آخری حد ہے محمدی المشرب اولیا کرام کے ساتھ مخصوص ہے۔

اور جس شیطان کے اسلام کے متعلق سید الانبیاء علیہ الصلوٰاۃ والسلام نے اپنے اس ارشاد میں خبر دی ہے کہ اَسلَم شَیطَانِی (میرا شیطان مسلمان ہو گیا ہے) اس کا تعلق اسی بلند مقام سے ہے جیسا کہ ارباب سلوک پر مخفی نہیں ہے۔ یہ اللہ کا فضل ہے وہ جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے ہی فضل والا ہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمتیں برکتیں اور سلامتیاں نازل

ہوں ہمارے آقا حضرت محمد ﷺ پر اور آپ کے تمام آل واصحاب پر۔

(39) معرفت

حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کا جذب وسلوک! معلوم ہونا چاہیے کہ عنایت الٰہی جل سلطانہ نے اولا مجھے اپنی طرف کھینچا جیسا کہ مقام مراد پر فائز لوگوں کو کھینچا جاتا ہے اس کے بعد دوسرے درجہ میں میرے لئے اس جذبہ نے سلوک کی منزلوں کو طے کرنا نہایت ہی آسان کر دیا چنانچہ میں نے شروع شروع میں حق تعالیٰ کی ذات کو اشیا کا عین پایا جیسا کہ متاخرین صوفیہ میں سے توحید وجودی کے مقام پر فائز حضرات نے ارشاد فرمایا ہے پھر میں نے حق تعالیٰ کو تمام چیزوں میں پایا بغیر اس کے کہ وہ ان اشیا میں حلول وسرایت کیے ہوئے ہو۔ پھر میں نے حق تعالیٰ کو معیت ذاتیہ کے طور پر تمام چیزوں کے ساتھ مخصوص کیا۔ اس کے بعد حق تعالیٰ سبحانہ کو تمام چیزوں کے بعد پایا پھر تمام چیزوں سے پہلے پایا پھر میں نے حق تعالیٰ سبحانہ کو دیکھا اور کوئی ایک چیز بھی مجھے وہاں نظر نہ آئی توحید شہودی کا سب یہی مطلب ہے جسے فنا سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہ پہلا قدم ہوتا ہے ولایت کے درجات میں رکھا جاتا ہے اور یہی وہ سابق ترین کمال ہے جو ابتداء میں حاصل ہوتا ہے اور یہ رویت ، مراتب مذکورہ میں سے کسی مرتبہ میں بھی کیوں نہ پیش آئے اولاً آفاق میں ہوا کرتی ہے اور پھر دوسرے درجہ میں انفس ہوا کرتی ہے ۔ پھر اس کے بعد میں نے بقا کی طرف ترقی کی جو ولایت میں دوسرا قدم ہوا کرتا ہے پس میں نے ان اشیا کو دوبارہ دیکھا اور میں نے حق تعالیٰ سبحانہ کو ان اشیاء کا عین پایا بلکہ خود اپنا عین پایا۔

اس کے بعد میں نے اللہ تعالیٰ کو تمام اشیاء میں دیکھا بلکہ خود اپنے نفس میں دیکھا اس کے بعد اشیاء کے ساتھ بلکہ خود اپنے ساتھ دیکھا پھر اشیا سے پہلے بلکہ اپنے سے بھی پہلے دیکھا پھر میں نے حق تعالیٰ سبحانہ کو اشیائے کے بعد دیکھا بلکہ خود اپنے بھی بعد دیکھا۔ پھر میں نے اشیاء کو دیکھا اور اللہ تعالیٰ کو بالکل ہی نہیں دیکھا اور یہ وہ آخری قدم تھا جس میں ابتدائی

قدم کی طرف لوٹنا ہوتا ہے اور مرتبہ عوام کی طرف واپس آ جانا ہوتا ہے اور یہ مقام مخلوق کو حق سبحانہ کی طرف دعوت دینے اور بلانے کا کامل ترین مقام ہوا کرتا ہے اور یہی منزل تکمیل وارشاد کی کامل ترین منزل ہوا کرتی ہے تاکہ مخلوق کی طرف مناسبت مکمل ترین طریقے پر حاصل ہو سکے کیونکہ کمال درجہ کا فائدہ پہنچانے اور فائدہ حاصل کرنے کا یہی تقاضا ہوتا ہے یہ اللہ کا فضل ہے وہ جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے ہی فضل والا ہے اور یہ تمام مذکورہ احوال اور تحریر کردہ کمالات مجھے حاصل ہوئے ہیں بلکہ ہر اس شخص کو حاصل ہوتے ہیں جو افضل الانبیاء اور اکمل البشر ﷺ کے طفیل سے واصل ہوتا ہے اے اللہ! ہمیں آپ کی پیروی پر ثابت قدم رکھ اور ہمارا حشر آپ ہی کے زمرہ میں فرما علیہ الصلوٰۃ والسلام اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ اس بندہ پر رحم فرمائے جو میری اس دعا پر آمین کہے اور سلامتی ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے۔

(40) معرفت

فضائل سلسلہ نقشبندیہ! سلسلہ عالیہ نقشبندیہ چند فضیلتوں کے اعتبار سے باقی تمام سلسلوں سے ممتاز ہے اور اس طریقہ عالیہ کو باقی تمام طریقوں پر ترجیح ہونا ظاہر ہے۔

یہ سلسلہ عالیہ برخلاف دوسرے سلاسل کے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر ختم ہوتا ہے جو انبیاء علیہم السلام کے بعد تمام نبی آدم میں سے سب سے افضل ہیں ---۔ اس طریقے میں برخلاف باقی طریقوں کے آغاز ہی میں انجام مندرج ہوتا ہے (اندارج نہایت دربدایت)

علاوہ ازیں برخلاف دوسرے سلسلوں کے ان بزرگوں کے نزدیک جو شہود معتبر ہے وہ شہود دائمی ہے جسے ان حضرات نے یادداشت سے تعبیر فرمایا ہے اور جو شہود دوام پذیر نہ ہو وہ ان حضرات کے نزدیک ناقابل اعتبار ہے۔

اور اس طریق کی منزلوں کو طے کرنا صاحب شریعت علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام کی

تکمل پیروی کے بغیر میسر نہیں ہوتا برخلاف دوسرے سلسلوں اور طریقوں کے کہ کسی قدر ۔۔۔۔ پیروی کے ساتھ یہ لوگ ریاضتوں اور مجاہدوں کی مدد سے انقطاع (دنیا سے بے تعلقی) کے مقام تک پہنچ جاتے ہیں اس دعوے کے لئے دلیل کی ضرورت ہے اور دلیل یہ ہے کہ یہ بزرگ محض جذبہ کی مدد سے راہ کو طے کرتے ہیں اور دوسرے طریقوں میں پرمشقت ریاضتوں اور شدید مجاہدوں کے ذریعے سے منزلیں قطع کرتے ہیں اور جذبہ محبوبیت کی صفت کو چاہتا ہے۔ جب تک آدمی محبوب نہ بن جائے اسے جذب نہیں کرتے اور محبوبیت کی حقیقت محبوب رب العالمین ﷺ کی متابعت اور پیروی سے وابستہ ہے آیہ کریمہ فَاتَّبِعُونِی یُحبِبکُمُ اللہ (لہذا میری اتباع کرو اللہ تعالیٰ تم سے محبت فرمائے گا) اسی مضمون پر شاہد ہے لہذا جس قدر متابعت کامل تر ہوگی اسی قدر جذبہ زیادہ ہوگا اور جس قدر جذبہ زیادہ ہوگا اسی قدر منازل کو قطع کرنا آسان تر اور تیز تر ہوگا لہذا کامل متابعت اور پیروی ان بزرگوں کے طریقہ کی شرط ہے اس لئے جہاں تک ممکن ہوسکا ان حضرات نے عزیمت ہی پر عمل فرمایا ہے حتی کہ ذکر بالجہر کو بھی جو اس راہ میں بڑی عمدہ چیز ہے ان حضرات نے منع کردیا ہے اور سماع اور رقص سے بھی جو ارباب احوال کا مرغوب ترین خلاصہ ہے ان حضرات نے اجتناب فرمایا ہے۔

نیز ظاہر ہے کہ جو کمال متابعت پر مرتب ہوگا وہ تمام دوسرے کمالات سے بلند درجہ پر ہوگا یہی وجہ ہے کہ ان بزرگوں نے فرمایا ہے وہ جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے اور اللہ بڑے ہی فضل والا ہے لہذا طالبان حق کے لئے اس طریق کو اختیار کرنا زیادہ بہتر اور زیادہ مناسب ہوگا کہ یہ راستہ انتہائی نزدیک تر ہے اور مطلوب انتہائی طور پر بلند ہے اور اللہ سبحانہ ہی توفیق عطا فرمانے والا ہے۔

(41) معرفت

حضور انور ﷺ کے فضائل! حضرت محمد ﷺ اولاد آدم کے سردار و آقا ہیں

اور قیامت کے دن سب سے زیادہ تعداد آپ ﷺ کے پیروکاروں کی ہوگی آپ ﷺ اللہ کے نزدیک اولین و آخرین میں سب سے زیادہ معزز ہیں (قیامت کے روز) آپ ﷺ سب سے پہلے قبر شریف سے باہر تشریف لائیں گے، آپ ہی سب سے پہلے شفاعت فرمانے والے ہوں گے اور سب سے پہلے آپ ﷺ ہی کی شفاعت قبول ہوگی سب سے پہلے آپ ہی جنت کا دروازہ کھٹکھٹائیں گے اور دروازہ آپ کے لئے کھول دیا جائے گا۔ قیامت کے دن حمد کا جھنڈا آپ ﷺ کے ہاتھ میں ہوگا اور اسی جھنڈے کے نیچے آدم و تمام انبیاء کرام علیہم السلام ہوں گے اور تمام لوگ ہوں گے آپ ﷺ کی وہ ہستی مبارک ہے جس کے متعلق آپ ﷺ نے خود فرمایا ہے کہ ہم (دنیا میں) سب سے بعد میں آنے والے ہیں لیکن قیامت کے دن سب سے آگے ہوں گے۔

(اور آپ ﷺ نے فرمایا ہے) میں بغیر کسی فخر کے ایک بات کہتا ہوں کہ میں اللہ کا حبیب ہوں میں رسولوں کا امام و پیشوا ہوں اور مجھے اس پر کوئی فخر نہیں ہے میں خاتم النبیین ہوں مجھے اس پر بھی کوئی فخر نہیں ہے کہ میں محمد ابن عبداللہ ابن عبدالمطلب ہوں (یعنی انسانوں) میں بنایا گیا ہوں پھر ان (انسانوں) کی دو جماعتیں بنائیں تو مجھے ان کی بہترین جماعت میں سے بنایا پھر ان کے خاندان اور قبیلے بنائے گئے تو مجھے ان میں سے بہترین خاندان سے بنایا پھر ان گھرانے بنائے گئے تو مجھے بہترین گھرانے میں سے بہترین انسان بنایا لہذا میں ان کے گھرانوں کے اعتبار سے بہتر اور اپنی ذات کے اعتبار سے بہترین ہوں۔ جب لوگ (قیامت میں) اٹھائے جائیں گے تو میں سب سے پہلا (قبر مبارک سے) باہر آنے والا ہوں گا جب وہ (حق تعالیٰ کی حضوری میں) وفد کے طور پر جائیں گے) تو میں ان کا پیشوا ہوں گا جب وہ سب خاموش رہیں گے تو میں ان کا خطیب ہوں گا جب وہ سب روک دیئے جائیں گے تو میری ہی سفارش قبول کی جائے گی۔ جب وہ سب مایوس ہو جائیں گے تو میں ہی ان کو بشارت دینے والا ہوں، عظمت و بزرگی اور نجات کی کنجیاں اس روز میرے ہی ہاتھ میں ہوں گی حمد کا جھنڈا (لوائے حمد) اس دن میرے ہی ہاتھ میں ہوگا میں اپنے پروردگار کے نزدیک اولاد آدم

بنایا پھر ان کے خاندان اور قبیلے بنائے گئے تو مجھے ان میں سے بہترین خاندان سے بنایا پھر ان گھرانے بنائے گئے تو مجھے بہترین گھرانے میں سے بہترین انسان بنایا لہذا میں ان کے گھرانوں کے اعتبار سے بہتر اور اپنی ذات کے اعتبار سے بہترین ہوں۔ جب لوگ (قیامت میں) اٹھائے جائیں گے تو میں سب سے پہلا (قبر مبارک سے) باہر آنے والا ہوں گا جب وہ (حق تعالیٰ کی حضوری میں) وفد کے طور پر جائیں گے) تو میں ان کا پیشوا ہوں گا جب وہ سب خاموش رہیں گے تو میں ان کا خطیب ہوں گا جب وہ سب روک دیئے جائیں گے تو میری ہی سفارش قبول کی جائے گی۔ جب وہ سب مایوس ہو جائیں گے تو میں ہی ان کو بشارت دینے والا ہوں، عظمت و بزرگی اور نجات کی کنجیاں اس روز میرے ہی ہاتھ میں ہوں گی حمد کا جھنڈا (لوائے حمد) اس دن میرے ہی ہاتھ میں ہوگا میں اپنے پروردگار کے نزدیک اولاد آدم میں سب سے زیادہ معزز محترم ہوں گا میرے گرد ایک ہزار خادم طواف کر رہے ہوں گے جو روشن موتیوں کی طرح ہوں گے جب قیامت کا دن ہوگا تو میں ہی انبیاء کا امام اور خطیب اور صاحب شفاعت ہوں گا اور مجھے اس پر کوئی فخر و ناز نہیں ہے۔ (واقعی) اگر آپ نہ ہوتے تو حق تعالیٰ سبحانہ مخلوق کو پیدا نہ کرتا اور نہ اپنی ربوبیت کا اظہار فرماتا اور آپ اس وقت بھی نبی تھے جب کہ حضرت آدم علیہ السلام ہنوز مٹی اور پانی کے درمیان تھے۔

نماند بعصیاں کسے در گرو		کہ دارد چنیں سید پیشرو
کب گناہوں میں رہے وہ مبتلا	(ترجمہ)	جس کے رہبر ہوں محمد مصطفیٰ ﷺ

خسران مخالفین! لہذا اس روشن شریعت والی ہستی (حضور ﷺ) کے منکر اور اس ملت زہرا کے بانی (رسول ﷺ) کے مخالف ساری مخلوقات میں بد بخت ترین وہ لوگ ہیں۔ اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ کُفْراً وَّنِفَاقاً (بدوی لوگ کفر و نفاق کے اعتبار سے سخت ترین آدمی ہیں)۔ (یہ فرمان الٰہی) ان کی حالت کا پتہ دیتا ہے۔ تعجب ہے کہ بعض ناپختہ اور ناقص درویش جو اپنے خیال کشف کو معتبر سمجھتے ہیں اس روشن شریعت کی مخالفت اور انکار میں پیش قدمی کرتے

گا) یا وہ ان کی باتوں کو شریعت کے مخالف سمجھتے ہیں لیکن خیال کرتے ہیں کہ حقیقت شریعت کے مخالف ہے اور یہ عین اور زندقہ ہے ہر وہ حقیقت جسے شریعت رد کر دے زندقہ ہی ہوتی ہے ۔

یہ فقیر اس جماعت کے بعض کشفی عقائد کا یہاں ذکر کرتا ہے انصاف کرنا چاہیے کہ آیا وہ اس قدر شریعت کے مخالف ہیں یا کسی صحیح تاویل کے قابل بھی نہیں ہیں یا مخالف نہیں ہیں اس جماعت کا شیخ اور رئیس اپنی کتاب میں لکھتا ہے کہ روح انسانی خصوصیت کے ساتھ حق تعالیٰ و تقدس کی عین ذات ہے اور ان دو آیات کریمہ کو اس پر بطور استدلال کے پیش کرتا ہے۔ (۱) وَجَاءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا (اور تیرا پروردگار آئے اور فرشتے صف بستہ آئیں گے) اور (۲) يَوْمَ يَقُومُ الرُّوحُ وَالْمَلَائِكَةُ صَفًّا (جس دن روح کھڑی ہوگی اور فرشتے صف بستہ ہوں گے) ان میں سے ایک آیت میں (فرشتوں کے ساتھ) رب (کا آنا) فرمایا ہے اور دوسری آیت میں روح (کا آنا) فرمایا ہے لہذا رب اور روح ایک ہی چیز ہوں گے اور یہ اتحاد و توحید وجودی کی قسم سے نہیں ہوے کیونکہ وہ روح کے ساتھ ہی مخصوص نہیں ہے بلکہ تمام اس میں برابر کا حصہ دار ہے۔

اسی کتاب میں وہ دوسری جگہ کہتا ہے کہ ابدال میں سے کچھ لوگ جو غاروں میں رہتے ہیں اور وہ کل ستر فرد ہوتے ہیں قیامت قائم ہونے تک رہیں گے اور انہیں موت نہیں آتی وہ طبائعی وجود رکھتے ہیں اور یہ بات نص قرآنی كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوتِ (ہر نفس موت کا مزہ چکھنے والا ہے) کے خلاف ہے۔۔ ایک دوسری جگہ آخرت کے حالات میں لکھتا ہے کہ مبداء سے معاد تک دو عالم ہیں دنیا اور آخرت اور ان دونوں عالموں میں ہر ایک نے چھ مرتبہ تربیت پائی ہے۔ دنیا میں نزول کے انداز پر اور آخرت میں ترقی کے انداز پر۔

اور ترقی کی ترتیب کو اس طرح بیان کرتا ہے کہ زمین پارہ پارہ ہو کر اس کے اجزا پانی میں منتشر ہو جائیں گے اس کے بعد تمام مخلوقات پانی میں غرق ہو جائے گی اور یہ جو صاحب شریعت فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن تمام مخلوق پسینے میں غرق ہو جائے گی تو ہاں پسینے سے

مراد یہی طوفان ہے وہ وقت ترقی کا وقت ہوگا کہ سب کے سب ذات ا، ریت کی جانب جو حیات دنیوی کے مراتب کا سرچشمہ اور عزت الٰہی جل شانہ سلطانہ کا سراپردہ (بارگاہ) ہے متوجہ ہو جائیں گے لیکن ہر شخص اپنی اپنی شناخت اور دریافت کی مقدار کے مطابق ان تمام مراتب میں سے ہر مرتبہ میں ہوگا اور تمام مخلوق کی تین جماعتیں بن جائیں گی سابقین۔ اصحاب یمن۔ اصحاب شمال۔

اس کے بعد وہ کہتا ہے کہ پانی بھی جو آگ کی حرارت کی وجہ سے تپا ہوا ہوگا خشک ہو جائے گا اور سب کا سب ہوا بن جائے گا اور قیامت کی ہولناکی سے یہی مرتبہ مراد ہے کہ اکثر خلائق تشنہ لب اور پیاسی ہوگی اس کے بعد وہ ہوا بھی کرہ آتشی کی حرارت سے آگ بن جائے گی اور سب کو اسی آگ پر سے گذرنا ہوگا دوزخ سے مراد یہی عالم عنصری ہے جو سب کا سب آگ بن جائیگا یہ دوزخ قمر (چاند) کے آسمان کے نیچے واقع ہوگی دوزخ کے درجات میں سے ہر درجہ میں اپنے عمل اور حجاب کی مقدار کے مطابق ایک گروہ عذات وعتاب میں گرفتار ہوگا باقی لوگ جو اس مقام سے گذر گئے ہوں گے وہ عالم نور میں رہیں گے اور بہشت سے مراد یہی عالم نور ہے کہ افلاک کے طبقات میں سے ہر طبقہ مراتب بہشت ہی کا ایک مرتبہ ہوگا اور یہ بہشت فلک قمر سے لیکر عرش کے نیچے تک آٹھ آسمانوں پر مشتمل ہوگی لہذا آٹھ بہشتیں ہوں گی کچھ لوگ اس مرتبہ میں سکونت رکھیں گے اور ان کی راحتوں میں وہ راضی اور خوش اور خرم ہوں گے یہ ان کے عمل کی مقدار کے مطابق ہوگا اور کچھ دوسرے حضرات جو انبیاء عظام اور اولیاء کرام کے گروہ سے ہوں گے وہ اس مرتبہ سے بھی آگے نکل جائیں گے اور لقا (دیدار) الٰہی کی طرف متوجہ اور وصال کے منتظر ہوں گے ان حضرات پر نہ آگ کی گرمی کا کوئی اثر ہوگا اور نہ راحت نور کی کوئی تاثیر ہوگی یہ حضرات دیدار حق میں مستغرق ہوں گے۔ مقام محمود ان کا مقام ہوگا۔ قَابَ قَوسَین اَو اَدنیٰ (پھر رہ گیا کیا فرق دو کمانوں کے برابر یا اس سے زیادہ قریب تر) سے اسی مرتبہ کی طرف اشارہ ہے یہ مقام عرش کے اوپر ہوگا ان ہی حضرات کی شان میں یہ حدیث وارد ہوئی ہے اِن اللهَ تعَالی جَنة لَیسَ فِیهَا حُورٌ وَلَا

قُصورٌ وَفِیهَا یَتَحَلّیٰ رَبُّنَا ضَاحِکًا (یعنی اللہ تعالیٰ کی ایک جنت ایسی بھی ہے جس میں نہ حوریں ہوں گے نہ محلات ہوں گے اس میں ہمارا پروردگار ہنستے ہوئے تجلی فرمائے گا)

ہر اس شخص پر جوادنی سی تمیز بھی رکھتا ہو یہ بات پوشیدہ نہیں رہتی کہ یہ بات پوشیدہ نہیں رہتی کہ یہ تمام باتیں شریعت کے خلاف ہیں (یا نہیں) دوزخ کو اس نے ایک آتشی کرہ سے تعبیر کیا اور زمین اور پانی اور ہوا کو اس میں گم کر دیا بہشت سے عالم نور مراد لیا جو فلک سے قمر سے لیکر عرش کے نیچے تک ہوگا اور انبیاء و اولیاء کے لئے عرش سے اوپر جگہ ثابت کر دی ہے نہ کہ بہشت میں یہ ساری باتیں (شریعت کی) صریح مخالفت کے سوا اور کچھ بھی نہیں ہیں اہل سنت و جماعت کا اعتقاد یہ ہے کہ دوزخ اس وقت موجود ہے اور جن بھی اور انبیاء و اولیاء اور تمام مومنین اپنے درجوں اور مرتبوں کے تفاوت کے مطابق جنت میں ہی ہوں گے۔ یہ نہیں کہ وہ جنت سے گذر کر عرش کے اوپر چلے جائیں گے اور وہیں قیام کریں گے۔ یہ سب خیالی ڈھکوسلے ہیں کنایہ سے بھی ان کا کوئی تعلق نہیں ہے ان باتوں میں بہشت کے اندر دیدار الہی کے وجود کا انکار ہے کیونکہ اس نے کہا ہے کہ عرش کے اوپر پہنچ کر لقا ہوگا اور عرش کے اوپر اس نے ایک الگ جنت دیدار بنائی ہے جس میں نہ حوریں ہوں گے نہ محلات ہوں گے لہذا عام مومنین لقا (دیدار الہی) سے بے نصیب ہوں گے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہمیں اس قسم کے تخیلات فاسد سے محفوظ رکھے۔

مقام محمود کو جو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مخصوص ہے اور اسی طرح اَو اَدنیٰ کے مقام کو اس شخص نے تمام انبیاء و اولیا کا حصہ قرار دیا ہے یہ بلاشبہ ایک بہتان کے سوا کچھ نہیں ہے۔

اس کی ان مذکورہ باتوں سے یہ بھی مفہوم ہوتا ہے کہ وہ کفار کے لئے عذاب کو بھی ابدی نہیں سمجھتا اسی طرح جنت کی نعمتوں کو بھی دائمی اور ابدی نہیں مانتا اور یہ خود صریح کفر ہے اور جو چیز اس معنی پر دلالت کرتی ہے خود اس کی عبارت ہے جو عذاب و ثواب کے بارے میں پہلے گذر چکی ہے کہ وہ عمل کی مقدار کے مطابق ہوگا سیاق (آگے آنے والی عبارت) میں بھی

اس کی صریح ہے اسے خوب سمجھ لو صاحب فصوص نے جو عذاب ابدی کے بارے میں کلام کیا ہے وہ اس کی وجہ سے مطعون خلائق ہو گیا ہے تو وہ لوگ مطعون کیوں نہیں ہوں گے جو ثواب ابدی ہی کا انکار کرتے ہیں۔

اور آخر میں وہ یہ بات لکھتا ہے کہ اس کے بعد جب ہائے ہویت سے ذات احدیت کے دریچہ سے ان کے اوپر آفتاب ذات چمکے گا تو اولین و آخرین تمام مخلوقات یعنی جو مراتب نار میں محجوب ہوں گے وہ بھی اور جو مقام نور میں مستور ہوں گے وہ بھی اور جن لوگوں کا نشیمن گاہ مقام محمود ہو گا وہ بھی سب کے سب اس جمال کے پرتو میں گم ہو جائیں گے اور دریائے لاہوت میں فنا ہو جائیں گے نہ بہشت کا کوئی اثر باقی رہے گا۔ اور نہ دوزخ کا کوئی شرارہ اس مقام پر نہ جلنا ہو گا نہ کسی طرح کا بناؤ سنوار ہو گا نہ حیرانی ہوگی نہ انتظار ہو گا نہ زندگی ہوگی نہ موت ہوگی کیونکہ سب کے سب ذات بن جائیں گے اور جیسا کہ ازل میں تھا اسی طرح ابدی ہو جائیگا اس کے بعد وہی دونوں عالم یعنی ایک عالم نور جس میں بہشت کے طبقات ہیں اور دوسرا عالم نار جس میں دوزخ کے درجات ہیں جمال و جلال کی تجلی سے ظہور میں آئیں گے کیونکہ ابتداء عالم میں بھی ان ہی دونوں صفتوں کی تجلی سے ظہور میں آتے تھے۔ لیکن وہ وہاں بالامکان (ممکن ہونے کے ساتھ) تھے اور یہاں بالوجوب (واجب ہونے کے ساتھ) ہوں گے اہل بہشت اپنے مرتبہ سکونت کریں گے اور ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے ان دو تجلیوں کے بعد کوئی اور تجلی ملحوظ نہیں ہے اور ذات کسی تعین کے ساتھ منسوب نہیں۔ انتہیٰ

ان باتوں سے یہ بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ جنت اور دوزخ باوجودیکہ وہ آخرت میں داخل ہیں فنا ہو جائیں گے غور کرنا چاہیے کہ یہ بات کفر تک پہنچا دیتی ہے یا نہیں جو ظہور ان کے زوال کے بعد حاصل ہو گا اس ظہور کو وہ بالوجوب (واجب الوجود) کہتا ہے۔ اور ظہور دنیا کو بالامکان (ممکن الوجود) غور کرنا چاہیے کہ اہل بہشت اور اہل دوزخ کو واجب کہنا کفر ہے یا نہیں؟ نیز اسی عبارت سے یہ بھی مفہوم ہوتا ہے کہ انبیاء اولیاء ہمیشہ ذات (احدیت) میں عدم کے اندر زوال پذیر اور مضمحل رہیں گے اور انہیں ہرگز وجود حاصل نہیں ہو گا یہ بھی صریح کفر ہے

انبیاء واولیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہمیشہ بہشت میں رہیں گے بغیر عدم اور بغیر زوال کے اور اس کی عبارت سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ انبیاء گروہ سابقین میں سے ہیں اور سابقین عرش کے اوپر رہیں گے جہاں نہ حوریں ہیں نہ محلات۔ نہ تنعم ہے نہ راحت۔ یہ بات بھی نص قطعی کے خلاف ہے حق سبحانہ وتعالیٰ سابقین کے بارے میں تنعمات کا اثبات فرماتا ہے اور بڑی بڑی آنکھوں والی حوروں کا بھی اثبات فرماتا ہے تو اس کا یہ قول نص کی مخالف کے سوا کچھ بھی نہیں ہے اس شخص نے ان تمام نعمتوں کو جو قرآن مجید میں سابقین کے بارے میں واقع ہوئی ہیں اہل یمن کے بارے میں ثابت کیا ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے آیت کریمہ عَلٰی سُرُرٍ مَوْضُوْنَةٍ مُتَّكِئِيْنَ الی آخرہ (وہ جڑاؤ تختوں پر بیٹھے ہوں گے تکیہ لگائے ہوئے آخر آیت تک) سابقین کے بارے میں ہے اور یہ شخص اس آیۃ کریمہ کو بھی) اہل یمن کے بارے میں ہونا بیان کرتا ہے اور سابقین کو نعمتوں سے محروم کرتا ہے کیونکہ یہ شخص قرآن مجید سے بالکل جاہل ہے اور اس کتاب کے آخر میں ایک اور اضافہ کرتا ہے اور توحید وجودی میں شیخ عطار اور مولوی رومی کی تقلید کرتا ہے اور اضافہ میں لکھتا ہے کہ وہ خر بھی شیطان ہو گیا (نعوذ باللہ من ذالک) اس کلمہ کی قباحت سے ہم حق سبحانہ وتعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں حق سبحانہ وتعالیٰ کو اس کلمہ سے یاد کرنا قبیح تر قباحت ہے اور شدید ترین کفر ہے

ارباب توحید اگرچہ ہمہ اوست کہتے ہیں لیکن اس قسم کے قبیح الفاظ کے اطلاق کو وہ بھی جائز نہیں رکھتے حق سبحانہ وتعالیٰ کو شریعت میں خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ (ہر چیز کو پیدا کرنے والا) کہتے ہیں لیکن خَالِقُ النَّجَسِ وَالْقَاذُوْرِ (ناپاک اور گندی چیزوں کو پیدا کرنے والا) کہنا جائز قرار نہیں دیتے۔ اس عبارت میں اس قسم کی باتوں میں اگر کوئی شخص تلاش کرے تو بہت سی باتیں ظاہر ہوں لیکن ان تھوڑی سی باتوں ہی سے بہت سی باتوں کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

سالے کہ نکوست از بہارش پیداست

ترجمہ وہ سال اچھا ہے جس کی بہار اچھی ہے

اس فقیر نے اس کی بیہودہ باتوں میں سے چند باتیں اس رسالے میں بیان کی ہیں تا کہ لوگ اس کے کام کی برائی (برے عقائد) سے واقف ہوسکیں اور اس کی تقلید کر کے اہل الحاد کے گروہ میں شامل نہ ہوں اگر وہ اس کے باوجود بھی اس جماعت کی تقلید ہی کو اختیار کریں گے تو حجت ان لوگوں پر پوری ہو چکی ہوگی۔

الحمدلله والاوآخرا والصلواة والسلام علی رسوله محمد وآله دائما سرمدا والسلام علی من اتبع الهدیٰ (اور اول وآخر اللہ تعالیٰ کی حمد اور محمد رسول اللہ ﷺ پر دائمی رحمتیں اور سلامتیاں ہوں اور اس شخص پر جو ہدایت کی پیروی کرے)